آخری مہم

آخری مہم

داستان امیر حمزہ

حصّہ دہم

مقبول جہانگیر

تختی کی کرامت

امیر حمزہ گھوڑے پر سوار ہو کر دائیں جانب چلے۔ کئی کوس جا کر وُہ ٹیلا نظر آیا۔ اُس پر ہاتھ رکھ کر تین سو مرتبہ اسمِ اعظم پڑھا۔ ایک دم ٹیلا دُھواں بن کر اُڑ گیا اور امیر حمزہ نے اپنے آپ کو ایک غار کے دہانے پر کھڑے پایا۔ خُدا کا نام لے کر غار کے اندر داخل ہوئے۔ ایک لق و دق صحرا دِکھائی دیا۔ اِس میں سفر کرتے ہوئے تالاب کے کنارے پہنچے۔ اِس میں بڑے بڑے مگر مچھ تیر رہے تھے۔ اُن کے کھُلے ہُوئے جبڑے دیکھ کر امیر حمزہ کو خُدا یاد آیا۔ تالاب کے درمیان میں ایک خُوب صُورت سفید مینار بنا ہُوا تھا۔ امیر حمزہ نے کپڑے سمیٹ کر زور سے چھلانگ لگائی۔ زمین پر پاؤں لگے۔ آنکھیں کھول دیں۔ کیا دیکھتے ہیں کہ نہ وُہ تالاب ہے نہ وُہ مگر مچھ اور نہ وُہ مینار۔ ایک

ہولناک صحرا ہے۔ جِس میں آدمی نہ آدم زاد۔ حیران ہوئے کہ اب کِدھر جائیں۔ یکایک اُس خط کا خیال آیا جو بزُرگ نے عطا کیا تھا۔ جیب سے نکال کر اُسے دیکھا۔ اُس میں لکھا تھا:

"اے حمزہ، اِس صحرا میں جِس طرف تیرا جی چاہے چل پڑ۔ جلد ہی ایک سواری ملے گی۔"

امیر حمزہ حیران ہوئے۔ دِل میں کہا عجیب بات ہے۔ سواری کا ذکر تو کیا ہے لیکن یہ نہ بتایا کہ سواری پر بیٹھوں یا نہ بیٹھوں۔ کئی مرتبہ اُس خط کو کھولا اور بند کیا۔ ہر بار یہی جملہ لکھا پایا۔ آخر اپنے آپ کو تقدیر کے حوالے کر کے ایک جانب چل پڑے۔ چلتے چلتے پیروں میں چھالے پڑ گئے مگر صحرا کِسی طرح ختم ہونے ہی میں نہ آتا تھا۔ شام کے وقت ایک نخلستان کے نزدیک پہنچے۔۔۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے سے ایک ہزار سپاہی گھوڑوں پر سوار چلے آئے ہیں۔ امیر حمزہ کے قریب آکر یہ سپاہی گھوڑوں سے اُترے اور قطار میں کھڑے ہو کر سلامی دی۔ پھِر اُن کا سردار آگے بڑھا اور ایک گھٹنا زمین پر رکھ

کر ادب سے کہنے لگا:

”ہمارے بادشاہ اِنتشار شاہ نے آپ کو طلب کیا ہے۔ وہی اِس طلِسم کا مالک ہے۔ میں اِس طلِسم کا وزیرِ اعظم ہُوں اور میرا نام شُعلہ ہے۔ میرے دائیں بائیں جو تین آدمی کھڑے ہیں، یہ بھی وزیر ہیں۔“

”ہم تمہارے ساتھ چلنے کو تیّار ہیں۔“ امیر حمزہ نے کہا۔

یہ سُن کر شُعلہ نے چُٹکی بجائی۔ اُسی لمحے ایک جڑاؤ تخت فضا میں نمودار ہوا اور امیر حمزہ کے قریب آن کر رُک گیا۔ امیر تخت پر بیٹھے اور وُہ ہَوا کے دوش پر اُڑتا ہوا روانہ ہُوا۔ امیر نے نیچے جھانک کر دیکھا تو ہزار سوار گھوڑے دوڑائے ساتھ ساتھ آ رہے تھے۔

ایک عظیم الشّان شہر میں پہنچ کر تخت شاہی محل کے اندر اُتر گیا۔ اِنتشار شاہ خُود اپنے وزیروں، امیروں اور شہزادوں سمیت استقبال کو آیا، امیر حمزہ کو سلام کیا اور اپنے ساتھ تخت پر بیٹھنے کی درخواست کی لیکن اُنھوں نے اِنکار کر

دیا۔ تب اِنتشار شاہ ہنس کر کہنے لگے:

”تخت لینے کے اِرادے سے تو آپ آئے ہیں، اور تخت پر بیٹھنے سے پرہیز ہے۔ آیئے تشریف رکھیے، زیادہ اِنکار نہ فرمایئے۔“

غرض اُس نے ایسی خُوشامد کی کہ امیر حمزہ راضی ہو گئے۔ پھر اِنتشار شاہ نے کہا:

”میں آپ کو خوب جانتا اور پہچانتا ہُوں۔ آپ بڑی قُوّت اور شجاعت رکھتے ہیں۔ اگر آپ اس طلِسم کو فتح کرنے کے اِرادہ سے باز آئیں تو ہم سب آپ کے غُلام بننے کو تیّار ہیں۔“

امیر یہ سُن کر ہنسے اور کہنے لگے۔ ”اے اِنتشار شاہ میں نے ایک مُصیبت زدہ شخص سے وعدہ کیا ہے کہ اِس طلِسم کو ضُرور فتح کروں گا۔ اب اگر میں یہ اِرادہ چھوڑتا ہُوں تو وُہ شخص کیا کہے گا اور دُنیا میرے بارے میں کیا سوچے گی کہ حمزہ وعدہ خلافی کرتا ہے۔ لہٰذا اِس اِرادے سے باز آنا مُمکن نہیں۔“

اِنتشار شاہ چند لمحے گردن جھُکائے کُچھ سوچتا رہا۔ پھِر اپنے وزیرِ اعظم سے کہا۔
”اے شُعلہ، معلُوم ہوتا ہے حمزہ اپنی ضِد سے باز نہ آئیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ تُو اِنہیں اِس طلِسم کی ساری کیفیّت سُنا دے۔“

شُعلہ نے اپنے بادشاہ کا حکم پا کر یُوں کہنا شروع کیا:

”اے امیر، طلِسم نادِر فرنگ جب تیّار ہو چُکا تو کاہنوں اور جادُوگروں نے حساب لگا کر بتایا کہ ایک زمانے میں ایسا شخص اِدھر آئے گا جو اِس طلِسم کو تباہ کر دے گا۔ چنانچہ لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے طلِسم میں داخلے کی ایسی راہ بنائی کہ اِدھر سے اگر کوئی شخص لاکھ جانیں بھی رکھتا ہو گا تو ایک بھی سلامت لے کر نہ جائے گا۔ اِس کے علاوہ دوسری راہ وُہ بنائی جِدھر سے آپ تشریف لائے ہیں۔ جِس تالاب میں آپ کُودے تھے، اُس پر جو مگرمچھ ہیں، وُہ سب کے سب نہایت زبردست جادُوگر ہیں۔ اُنہیں اِس واسطے تالاب میں رکھا گیا ہے کہ اگر کوئی ایسا آدمی جو طلِسم کو برباد کرنے کا اِرادہ رکھتا ہو، اِدھر سے آ جائے تو یہ جادُوگر اُسے قید کر لیں۔ آپ خُوش قسمتی سے قید تو نہ ہُوئے مگر

آپ کا اسمِ اعظم اُنھوں نے بند کر لیا ہے۔ اِس کے علاوہ عَقربِ سلیمانی بھی بے کار ہے۔ آپ کو اپنی دو چیزوں پر زیادہ بھروسا تھا۔ اب ذرا یاد کیجیے کہ اسمِ اعظم آپ کے پاس ہے یا نہیں؟"

شُعلہ کی یہ بات سُن کر امیر حمزہ نہایت پریشان ہوئے۔ اسمِ اعظم یاد کرنے کی بہتیری کوشِش کی، مگر وُہ کِسی طرح یاد نہ آتا تھا۔ اُن کی پیشانی پسینے سے تر ہُوئی۔ تب شُعلہ نے قہقہہ لگا کر کہا:

"اے امیر، آپ کو اسمِ اعظم اُسی وقت یاد آئے گا جب تالاب کے وُہ مگر مچھ مَر جائیں گے اور اُن کے مرنے کی کوئی تدبیر فی الحال آپ کے پاس نہیں ہے۔ اِس لیے یہی مُناسب ہے کہ ہماری میزبانی قبُول فرمایئے، جب تک جی چاہے یہاں رہیے، جو شے پسند ہو شوق سے لے جایئے، جہاں جی چاہے سیر کو جایئے، آپ پر کوئی پابندی نہ ہو گی۔ مجھے اُمّید ہے کہ آپ کا دِل یہاں ایسا لگے گا کہ سب کُچھ بھُول جائیں گے۔"

امیر حمزہ نے مصلحت اِسی میں دیکھی کہ اِنتشار شاہ کی میزبانی قبُول کر لیں۔

اُنھوں نے اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔ اِنتشار شاہ بُہت خُوش ہوا۔ ایک عالی شان اور سجا سجایا محل امیر حمزہ کو رہنے کے لیے دیا۔ چالیس غُلام اور چالیس لونڈیاں باندیاں خدمت گزاری کے لیے مُقرّر کیں۔ اِن کے علاوہ گانے بجانے میں ماہر گویّے بھی بُلائے گئے۔ شِکار کے واسطے ایک وسیع جنگل دیا گیا جِس میں ہر طرح کے چھوٹے بڑے جانور کثرت سے تھے۔

چند دِن کے اندر اندر امیر حمزہ اس شہر کی دلچسپیوں میں ایسے کھوئے کہ کُچھ یاد نہ رہا۔ اسی طرح ایک سال گُزر گیا۔ سال کے سال اُس شہر میں ایک عظیم الشّان میلہ ہوا کرتا تھا۔ جب وُہ زمانہ آیا اور میلے کا سامان ہونے لگا تو اِنتشار شاہ نے امیر حمزہ کو بُلوایا اور کہنے لگا:

”اے امیر، آپ بھی اِس میلے کی سیر کریں۔ ایسا تماشا کبھی آپ کی نظر سے نہ گُزرا ہو گا۔“

امیر حمزہ نے ہنس کر جواب دیا۔ ”یہ میں نے کوہ قاف کے عجائبات دیکھے ہیں۔ اُن کے سامنے اِن کھیل تماشوں اور میلوں ٹھیلوں کی کیا حقیقت ہے۔ میں

اپنے محل میں آرام سے رہتا ہُوں۔ میلے میں آنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتا۔"اِنتشار شاہ خاموش ہو رہا اور امیر حمزہ اپنے محل میں چلے آئے۔

میلے کا آخری دِن تھا کہ آسمان پر ایک کالی گھٹا نمودار ہُوئی۔ پھر گھٹا میں سے ایک تخت نیچے اُترا۔ اُس پر ایک بوڑھا شخص بیٹھا تھا جِس کی سفید ڈاڑھی ناف تک لمبی تھی اور ایک کِتاب اُس کی بغل میں دبی ہوئی تھی۔ اُس بُڈّھے کو انجم کِتاب خواں کہتے تھے۔ وُہ غیّور جادُوگر کی جانب سے سال میں ایک مرتبہ اِس میلے میں آتا تھا اور اپنی کِتاب میں سے منتر پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سُناتا تھا۔

جب وُہ زمین پر اُترا تو تھوڑی دیر بعد ایک بِلّوریں گُنبد بھی آسمان سے آیا اور اُس بُڈّھے کے تخت کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اِنتشار شاہ بھی اُس کے اِستقبال کو آیا تھا۔ بُڈّھے نے پُوچھا:

"اے اِنتشار، تُو نے حمزہ کو نہیں بُلوایا؟"

"حضُور، میں نے اُسے بُلوایا، مگر اُس نے آنے سے اِنکار کر دیا۔"

”اچھا، اب دوبارہ پیغام بھیجو اور کہو کہ یہاں آئے۔“

”بہت بہتر۔“ اِنتشار شاہ نے کہا اور شُعلہ وزیرِ اعظم کی طرف دیکھا۔ وُہ اُسی وقت امیر حمزہ کے محل میں پہنچا اور ساتھ چلنے کی درخواست کی۔ اُس نے اِس انداز میں خوشامد کی کہ امیر حمزہ اِنکار نہ کر سکے اور کہا کہ اچھا، ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔ وُہ میلے میں آئے۔ دیکھا کہ ہزاروں قسم کے عجائبات میلے میں مُہیّا ہیں اور گُنبدِ بِلّوریں کے اندر ایک مردِ ضعیف کِتاب بغل میں لِیے بیٹھا ہے۔ اُس نے جُونہی امیر حمزہ کو دیکھا پُکار کر کہ:

”اے حمزہ، اِدھر میرے قریب آیئے۔“

امیر حمزہ اُس کے نزدیک گئے تو بُڈّھے نے اُنہیں اُوپر سے نیچے تک دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔ ”یہاں کا دستور ہے کہ جو شخص طِلِسم کو فتح کرنے کے اِرادے سے آتا ہے، اُس کے سر پر ایک خاص قسم کا تاج رکھتے ہیں۔ اگر یہ تاج اُس کے سر پر ٹھیک ٹھیک آتا ہے تو سمجھتے ہیں کہ یہی شخص طِلِسم کا فاتح ہو گا۔ پھر اُسے مبارک باد دیتے ہیں اور اگر تاج ٹھیک نہ بیٹھا تو اُس شخص کو بھیانک سزا دیتے

ہیں۔ لہٰذا اب وہی تاج آپ کے سر پر رکھا جائے گا۔"

"بہُت خُوب۔ میں اِس امتحان کے لیے تیّار ہُوں۔" امیر حمزہ نے کہا۔

انجم کِتاب خواں نے اِنتشار شاہ کو حکم دیا کہ تاج منگوایا جائے۔ آناً فاناً ایک الماسی تاج لایا گیا۔ اور زربفت کے ایک شامیانے میں الماس ہی کا بنا ہوا تخت بچھایا گیا۔ کِتاب خواں نے امیر حمزہ کو اُس تخت پر بٹھایا اور تاج اُن کے سر پر رکھا۔ تاج اُن کے سر پر ایسا ٹھیک آیا گویا اُنہی کے لیے بنا تھا۔ تب بُڈّھے نے امیر حمزہ کو مبارک باد پیش کی اور کہنے لگا:

"اے امیر، ہزار ہزار مُبارک باد قبُول فرمایئے۔ اِس طلِسم کے فاتح آپ ہی ہیں۔ اب یہ تخت اور تاج آپ کا ہے۔ اِن دونوں پر کوئی جادُو اثر نہیں کرتا۔ اِنہیں لے کر باغِ کرامت میں چلے جایئے۔"

اِس کے بعد اُس نے کِتاب کھول کر اپنا وعظ شروع کیا اور لوگوں سے کہا: "اے لوگو، جو شخص اِس عرب کی اِطاعت کرے گا، وُہ بچ جائے گا اور جو اِس

کے حکم سے سرتابی کی جرأت کرے گا، اپنی سزا کو پُہنچے گا۔"

یہ سُنتے ہی اِنتشار شاہ نے چلاّ کر کہا۔ "او بُڈّھے، میں نے بُہت تیری بکواس سُنی۔ اب یہ ٹرٹر بند کر ورنہ زبان کاٹ ڈالوں گا۔ میں اِتنا بڑا بادشاہ ہو کر ایک معمولی عرب کی اِطاعت کیوں کر قبُول کر لُوں۔"

"اے اِنتشار شاہ، غُرور نہ کر اور عاجزی اِختیار کر۔" انجم کِتاب خواں نے کہا۔ "ورنہ برباد ہو جائے گا۔"

اب تو اِنتشار شاہ کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا۔ نیام سے تلوار کھینچ کر بُڈّھے کی طرف لپکا۔ بُڈّھے نے چلاّ کر کہا۔

"اے حمزہ، یہ تختی مجھ سے لے لو، تمھیں اِس کی ضرورت پڑے گی۔ یہ اب میرے لیے بے کار ہے۔ دس ہزار دیو اور دس ہزار پریاں اِس تختی کے تابع ہیں۔"

یہ کہہ کر اُس نے اپنے سینے کے اندر سے سونے کی بنی ہُوئی ایک چھوٹی سی

تختی نِکال کر امیر حمزہ کی طرف پھینکی۔ اُنھوں نے تختی پکڑ کر اپنی جیب میں رکھ لی۔ اُسی وقت اِنتشار کی تلوار بُڈّھے کی گردن پر پڑی اور وُہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گِرا۔ بُڈّھے کے مرتے ہی سُرخ آندھی آئی۔ بڑے بڑے درخت جڑوں سے اُکھڑ کر آسمان میں اُڑنے لگے۔ تمام میلا درہم برہم ہو گیا۔ اِس کے بعد گھُپ اندھیرا چھا گیا۔ یہ حالت بُہت دیر تک قائم رہی اور جب فضا صاف ہوئی تو امیر حمزہ نے اپنے آپ کو اُسی تخت اور تاج سمیت ایک پُر فضا باغ میں پایا۔ اِرد گِرد بُہت سی پریاں اور دیو ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

یکایک اِن دیوؤں اور پریوں کا سردار آگے بڑھا اور امیر حمزہ کو جھُک کر سلام کرنے کے بعد بولا:

"اے امیر، جب تک وُہ طلسمی تختی آپ کے قبضے میں ہے، ہم سب آپ کے تابع دار ہیں۔ آپ اِس وقت باغِ کرامت میں تشریف رکھتے ہیں۔ یہاں اِنتشار شاہ اور شُعلہ جادُو کا اثر نہیں ہے۔ لیکن اس طلِسم کی فتح کے ابھی بے شمار دُشوار مرحلے باقی ہیں جو آپ کو طے کرنے پڑیں گے۔ حوصلہ نہ ہاریے اور

ہمّت بر قرار رکھیے۔ سب مُشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ ایک نصیحت ہی ہے کہ ہر کام شروع کرنے سے پہلے اِس تختی پر ضُرور نظر ڈال لیجئے۔ آپ کے لیے جو مناسب ہو گا، وُہ اِس تختی پر ظاہر ہو جائے گا۔ اب ہم اِجازت چاہتے ہیں۔ ضرورت کے وقت دوبارہ حاضر ہو جائیں گے۔"

یہ کہتے ہی تمام پریاں اور دیو عُقابوں اور شاہینوں کی شکل بن کر اُڑے اور نظروں سے غائب ہو گئے۔ امیر اُس باغ میں اکیلے رہ گئے۔ تھوڑی دیر بعد اُنہوں نے تختی پر نگاہ ڈالی۔ اُس پر لِکھا تھا:

"اے حمزہ، اب تُم جلد اِس باغ سے نکل کر دائیں جانب روانہ ہو جاؤ۔"

امیر حمزہ نے ایسا ہی کیا۔ باغ سے نِکلے ہی تھے کہ زبردست آگ نے اُسے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا باغ جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ امیر حمزہ چلتے گئے۔ آخر ایک لق و دق صحرا میں پہنچے۔ گرمی کے مارے بُرا حال تھا۔ جھاڑیاں، درخت اور پودے سب کے سب سیاہ پڑ چکے تھے۔ گرم ہواؤں کے جھکّڑ چل رہے تھے۔

امیر حمزہ سائے کی تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑنے لگے۔ اچانک ایک بڑا سا ریت کا ٹیلہ دِکھائی دیا۔ اُس کے نیچے پناہ لینے کا اِرادہ کیا۔ جونہی اُس ٹیلے کی آڑ میں آئے، یکایک زمین میں دھنسنے لگے۔ باہر نکلنے کے لیے جتنے ہاتھ پاؤں مارتے تھے، اُتنا ہی اور زمین میں دھنستے تھے۔ حتّٰی کہ گھٹنوں تک زمین میں سما گئے۔ اوسان خطا ہوئے اور سمجھے کہ موت نے گلا دبایا۔ اچانک اُس تختی کا خیال آیا۔ جلدی سے اُس پر نگاہ ڈالی لکھا تھا:

”اے فاتح طلِسم نادِر فرنگ، اگر ریت کے بیابان سے گزر ہو تو ہوشیار رہنا۔ وُہ ریت نہیں، چھوٹی چھوٹی مچھلیاں ہیں۔ اگر تُم زمین میں دھنس گئے تو ایک بُہت بڑی مچھلی پر ایک چھوٹی مچھلی سوار ہو کر آئے گی اور تمہارے سینے کو توڑ کر دوسری طرف نِکل جائے گی۔ پھر سب مچھلیاں مل کر تمہارا جسم چھلنی کر دیں گی۔ اگر تُم اِس آفت میں پھنس جاؤ تو لازم ہے کہ اپنے تِیر پر یہ اسم پڑھ کر پھُونکو اور جو مچھلی بڑی مچھلی پر سوار ہو، اُس پر مارو۔“

اِس عبارت کے نیچے وُہ اسم بھی درج تھا۔ امیر حمزہ نے اُسے یاد کیا۔ اِتنے میں

کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بُہت بڑی مچھلی کی پیٹھ پر سوار ایک چھوٹی سی سنہرے رنگ کی مچھلی چلی آ رہی ہے۔ امیر حمزہ نے جلدی سے تِیر پر اسم پڑھ کر پھُونکا اور اُس مچھلی پر مارا۔ جونہی یہ تیر مچھلی کو لگا، تاریکی چھا گئی۔ پھر ایک آواز یہ کہتے ہوئے سُنائی دی:

"میرا نام حُوت جادُوگر تھا۔ آج تین ہزار برس بعد حمزہ کے ہاتھوں مارا گیا۔"

تھوڑی دیر بعد تاریکی دُور ہُوئی۔ تب امیر حمزہ نے دیکھا کہ نہ صحرا ہے نہ دھوپ کی شدّت، بلکہ ایک دریا کے کنارے کھڑے ہیں۔ یکایک آواز آئی:

"اے آقا، تختی طِلِسم کا ایک مرحلہ آپ نے فتح کر لیا۔ مبارک ہو۔ بارگاہِ زربفتی حاضِر ہے۔ تشریف کے لیے چلیے۔"

امیر حمزہ نے چونک کر اپنے پیچھے دیکھا تو دیوؤں کے سردار کو موجُود پایا۔ امیر حمزہ اُسے دیکھ کر بُہت خُوش ہوئے اور کہنے لگے۔ "یہ عجیب طِلِسم ہے کہ ہماری بارگاہ اِس میں محفوظ رہتی ہے۔"

غرض اُس دیو کے ہمراہ بار گاہ میں تشریف لائے۔ وہاں دستر خوان پر ہزار ہا قِسم کے لذیذ پھل، بھُنا ہُوا گوشت اور روٹیاں بھی تھیں۔ امیر حمزہ نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ کُچھ دیر آرام کیا۔ پھر دیوؤں کے سردار سے کہنے لگے:

"اب دُوسرا مرحلہ کب شروع ہو گا؟"

"میرے آقا، تختی پر نگاہ ڈالیے۔ اِس سوال کا جواب وہیں سے مِلے گا۔"

اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ تختی پر لکھا تھا:

"اے حمزہ، خُدا کے فضل و کرم سے پہلا مرحلہ طے ہُوا۔ اب دوسرے کی تیّاری کر۔ اِس مرتبہ بائیں جانب روانہ ہو اور خُدا کی قُدرت کا تماشا دیکھ۔"

اگلے روز امیر حمزہ صُبح سویرے وہاں سے روانہ ہوئے۔ اِس مرتبہ ایسے علاقے میں پُہنچے جہاں حدِّ نظر تک برف ہی برف تھی۔ اِتنے میں آسمان سے بھی برف کے گالے گِرنے لگے۔ پھِر بڑے بڑے اولے برسے، کوئی سیر بھر کا تھا، کوئی پانچ سیر کا۔ اگر امیر حمزہ اپنی ڈھال سر پر نہ رکھ لیتے تو یہ اولے اُن

کا سر پھاڑ ڈالتے۔ جب اُنہوں نے ڈھال بُلند کی تو اِتّفاق سے اُسی ہاتھ میں وُہ تختی بھی تھی۔ جُونہی یہ تختی اُونچی تختی ہُوئی، برف باری موقوف ہو گئی اور بادل پھَٹ گئے۔ امیر حمزہ نے دیکھا کہ فضا میں ایک جادُوگر موجود ہے جو یہ جادُو کر رہا ہے۔ اُنہوں نے تختی پر نِگاہ ڈالی۔ لکھا تھا:

"اے حمزہ، اِس جادُوگر کا نام تگرنگ جادُو ہے۔ وہی اسم پڑھ کر تِیر چلا۔"

امیر نے تِیر مارا۔ جادُوگر زخمی پرندے کی طرح پھڑ پھڑاتا ہُوا نیچے آن گِرا اور جہنّم رسید ہُوا۔ اُس کے مرتے ہی آندھی آئی اور ایک آواز بُلند ہُوئی:

"میرا نام تگرنگ جادُو تھا۔ آج پانچ ہزار برس بعد حمزہ کے ہاتھوں مارا گیا۔"

جب آسمان صاف ہُوا تو ایک پری زاد نے آن کر امیر کو سلام کیا اور کہا "تشریف لائیے، بارگاہ تیّار ہے۔"

امیر حمزہ بارگاہ میں آئے، آرام کِیا۔ اِتنے میں ایک اور پری زاد حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ "اے آقا، طِلسم کا دُوسرا مرحلہ بھی آپ نے فتح کر لیا۔ مُبارک ہو۔

حُوت جادُوگر کی موت کی خبر سُن کر اِنتشار شاہ کو بے حد صدمہ ہُوا ہے اور اُس نے اپنے ساحِروں کو حکم دِیا ہے کہ جِس شخص نے حُوت کو ہلاک کیا ہے۔ اُسے مار ڈالو۔ جادُوگر آپ سے اِنتقام لینے کے لیے روانہ ہو چکے ہیں۔ تختی دیکھے بغیر کوئی کام نہ کیجیے۔“

اگلے روز امیر حمزہ نے تختی دیکھی۔ اُس پر لِکھا تھا: ”اے حمزہ، اِس مرتبہ تیرا مقابلہ ایک زبردست جادُوگر سے ہے۔ اُس کا نام ترخان بن خُوں خوار ہے۔ اس کے پاس سپاہی بھی ہیں اور جادُوگر بھی۔ لیکن تُو حوصلہ رکھیو اور ہر مرحلے میں تختی ضُرور دیکھتا رہیو۔ اب جِدھر تیرا جی چاہے، چل دے۔“

تب امیر حمزہ اللہ کا نام لے کر مشرق کی جانِب چل پڑے۔ دوپہر گُزرنے کے بعد ایسے مقام پر آئے جہاں دو ویران باغ تھے۔ ایک دائیں ہاتھ دُوسرا بائیں ہاتھ۔ اِن باغوں کے دروازوں پر دو عجیب و غریب پرندے بیٹھے تھے۔ ایک عُقاب تھا، دوسرا اُسرخاب۔ امیر حمزہ کو دیکھ کے یہ پرندے یُوں باتیں کرنے لگے:

"اگر یہ شخص میرے دروازے کے قریب سے گُزرے تو طلِسم فتح ہو جائے گا۔" سُرخاب نے کہا۔

"اور اگر تختی دیکھ کر کوئی فیصلہ کرے گا تو مارا جائے گا۔" عُقاب نے کہا۔

امیر حمزہ اُن کی باتیں سُن کر حیران ہوئے اور سوچنے لگے کیا کروں۔ یکایک تختی پر نگاہ کی۔ لِکھا تھا:

"اے حمزہ، یہ دونوں پرندے جادُوگر ہیں۔ ایک کا نام کاؤس اور دوسرے کا نام فنون ہے۔ اِن کے مکر میں نہ آنا۔"

جادُوگر پرندوں نے جُونہی امیر حمزہ کے پاس سونے کی یہ تختی دیکھی، وہاں سے اُڑے اور سیدھے ترخان کے پاس پُہنچے۔ اُسے خبر دی کہ اِس طلِسم کا فاتح ہمارے جال میں نہ پھنسا۔ ترخان کئی ہزار جادُوگروں کو لے کر مُقابلے میں آیا۔ راستے میں امیر حمزہ سے آمنا سامنا ہوا۔ تلوار چلنے لگی۔ اگرچہ امیر نے کُشتوں کے پُشتے لگا دِیے۔ لیکن اُن کی تعداد میں کُچھ کمی دِکھائی نہ دی۔ آخر

گھبرا کر تختی کو دیکھا۔ اس میں لِکھا تھا:

”اے حمزہ، ترخان کو قتل کرنے کی کوشِش کر۔ جب تک ترخان نہ مارا جائے گا، اُس کی فوج میں ہر گز کمی نہ ہو گی۔“

تب امیر نے چاروں طرف نِگاہ دوڑائی۔ ایک بُلند ٹیلے پر ترخان کھڑا تھا۔ اُس کی شکل بڑی بھیانک تھی اور جسم کا رنگ توے کی مانِند کالا تھا۔ وُہ ٹیلے پر کھڑا زور زور سے منتر پڑھ رہا تھا اور اُس کے منتر کا اثر یہ تھا کہ امیر حمزہ کے ہاتھ سے اس کا جو بھی جادُو مارا جاتا، تھوڑی دیر بعد خود بخُود زِندہ ہو کر دوبارہ لڑنے لگتا۔

قِصّہ مُختصر امیر حمزہ نے نعرہ مار کر زبردست حملہ کیا۔ جادُو گر خوف زدہ ہو کر اِدھر اُدھر سمٹنے لگے۔ امیر حمزہ نے ترخان تک پہنچنے کا راستہ بنایا اور ٹیلے پر چڑھ گئے، ترخان کے ہوش اُڑے۔ بھاگنے کی کوشِش کی، اور اپنے آپ کو ایک بڑے گِدھ کی صُورت میں بدل کر اُڑنا چاہا مگر امیر حمزہ نے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ اُس کا جسم دو برابر کے ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ ترخان کے مرتے

ہی قیامت کا شور برپا ہُوا۔ ہر طرف وہی گھُپ اندھیرا چھا گیا۔ پھر آواز آئی:

"میرا نام ترخان جادُو تھا۔ آج بیس ہزار برس بعد حمزہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گیا۔"

جب تاریکی دُور ہُوئی تو دیوؤں کا سردار ہاتھ باندھے سامنے آیا اور عرض کیا "اے آقا، فتح کا تیسرا مرحلہ طے ہو گیا۔ مبارک ہو۔ آیئے بارگاہ میں چل کر آرام کیجئے۔"

اگلے روز امیر حمزہ نے تختی پر نگاہ ڈالی۔ لِکھا تھا:

"اے حمزہ، آگے نیرنگ جادُو کا باغ ہے اور اُسی باغ سے طِلسم فرنگ کو راستہ جاتا ہے۔ آج کا دِن بھی اپنی بارگاہ میں آرام کر۔ اگلے روز یہاں سے جانا اور خبردار تختی دیکھے بغیر کوئی قدم نہ اُٹھانا۔"

غرض امیر حمزہ تیسرے دِن وہاں سے روانہ ہُوئے، دُور سے نیرنگ جادُو کا باغ دِکھائی دیا۔ اُس میں سینکڑوں عورتیں موجود تھیں جو ہاتھوں میں رنگ

سے بھری پچکاریاں تھامے ایک دوسرے پر رنگ پھینک رہی تھیں۔ امیر حمزہ نے تن کی طرف دیکھا۔ لکھا تھا:

"اے حمزہ، اِن عورتوں کو اِس طرح ہلاک کرو کہ اِن کی پچکاریوں کا رنگ تُم پر نہ پڑنے پائے ورنہ پتھّر ہو جاؤ گے اور تختی بھی کام نہ دے گی۔ اِن جادُوگر عورتوں کی ملکہ درمیان میں کھڑی ہے۔ اِس کا لباس سُرخ رنگ کا ہے۔ اگر تُم اِسے مار ڈالو تو دُوسری تمام عورتیں غائب ہو جائیں گی۔"

امیر حمزہ یہ سوچتے ہوئے آگے بڑھے کہ کِسی حربے سے اِن عورتوں کی ملکہ کو ماروں کہ رنگ کا ایک قطرہ بھی مجھ پر نہ پڑے۔ یہ سوچتے ہُوئے باغ کے اندر داخِل ہوئے۔ ایک عورت نے انہیں دیکھ کر اپنی ملکہ نیرنگ جادُو سے کہا۔ "ذرا دیکھیے تو یہ کون آدمی ہے جو ہم عورتوں میں یوں گھُس آیا ہے۔"

نیرنگ جادُو نے مُڑ کر دیکھا اور کہنے لگی۔ "اِس کا نام حمزہ ہے اور یہی وُہ بدبخت ہے جو اِس طلِسم کو فتح کرنے آیا ہے۔ میں ابھی اسے سزا دیتی ہُوں۔"

یہ کہہ کر اپنی کنیز کے ہاتھ سے رنگ کی پچکاری چھینی اور امیر حمزہ کی طرف دوڑی۔ اُنہوں نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ ”اے نیر نگ، پچکاری چلانے سے پہلے میری ایک بات سُن لے۔ پھر تجھے اِختیار ہے جو چاہے کر۔“

”اے آدم زاد، جلد بتا کیا بات ہے؟“ نیر نگ نے پُوچھا۔

”کیا تیرے اِس باغ میں مہمانوں کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا ہے۔ میں اِتنی دُور سے چل کر آیا ہُوں۔ پیاس کے مارے دم لبوں پر ہے، ایک گھونٹ پانی کی درخواست ہے۔“

”بہُت بہتر۔ میں ابھی تجھ کو پانی پلاتی ہُوں۔“ یہ کہہ کر ملکہ نیر نگ جادُو نے اپنی ایک کنیز سے کہا کہ ٹھنڈا پانی لے آ۔ وُہ پیالے میں پانی لے کر آئی۔ امیر حمزہ نے دائیں ہاتھ سے پیالہ پکڑا اور پانی پینے لگا۔ ایک لمحے کے لیے نیر نگ جادُو کی توجہ دوسری طرف ہُوئی اور اُسی لمحے امیر حمزہ نے اپنے بائیں ہاتھ میں چھپا ہوا خنجر اُس کے سینے میں اُتار دیا۔

ایک ہولناک چیخ مار کر نیرنگ جادُو زمین پر ِگری ِگرتے ہی اُس کے بدن میں آگ لگی اور جل کر راکھ ہو گئی۔ یہی حشر اُس کی سب کنیزوں اور خادماؤں کا ہُوا۔ پھر سیاہ آندھی میں سے آواز آئی:

"میرا نام نیرنگ جادُو تھا۔ آج پچیّس ہزار برس بعد حمزہ کے ہاتھوں قتل ہُوئی۔"

اِس کے بعد امیر نے تین دِن بار گاہ میں آرام کیا، چوتھے روز تختی دیکھی۔ اُس پر لِکھا تھا:

"اے حمزہ، اب شمال کی جانب روانہ ہو۔ چند کوس پر آگ کا ایک دریا مِلے گا۔ اُس کے شُعلے آسمان سے باتیں کرتے ہُوں گے۔ لیکن تو بے خوف ہو کر اُس میں کود جائیو۔"

امیر حمزہ وہاں سے پہلے شمال کی طرف بُہت دُور چلنے کے بعد دور سے نارنجی اور نیلے رنگ کے اُونچے اُونچے شعلے اُٹھتے دِکھائی دیے۔ جب قریب پُہنچے تو آگ

کی تیزی اِتنی زیادہ تھی کہ حمزہ کا جسم جلنے لگا۔ آگ کا ایسا عظیم دریا اُنہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اُنہوں نے پھر تختی پر نِگاہ ڈالی۔ لکھا تھا:

"اِس تختی کو گلے میں ڈال لے اور دریا میں کُود جا۔"

اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ آنکھیں بند کر کے دریا میں کُود ے۔ یوں محسوس ہوا جیسے کِسی گہرے کنویں میں گِر رہے ہُوں۔ خاصی دیر بعد زمین پر پاؤں ٹِکے۔ آنکھیں کھولیں۔ دیکھا کہ ایک چٹیل میدان ہے۔ جِس کے درمیان میں ایک مست ہاتھی کھڑا جھُوم رہا ہے۔ جِس کے پیروں میں لوہے کی بڑی بڑی زنجیریں پڑی ہیں۔ امیر حمزہ نے تختی کو دیکھا۔ اِس میں لِکھا تھا:

"اے حمزہ، خبر دار، یہ ہاتھی نہیں ہے۔ اِس کا اصل نام فیلان جادُو گر ہے۔ جب وُہ تیرے پیچھے دوڑے تو سیدھا نہ بھاگنا، ورنہ اُس کی سونڈ سے نہ بچے گا اور اگر اُس کی کوئی زنجیر چھُو گئی تو فوراً جل کر خاک سیاہ ہو جائے گا۔ اِسے مارنے کی یہی صُورت ہے کہ کِسی طرح اپنی تلوار کی نوک سُونڈ میں چبھو دینا پھر یہ ساحر آتش بازی کے انار کی مانند چھُوٹ جائے گا۔ جہاں یہ کھڑا ہے،

وہیں ایک غار ہے۔ اُس کے مرنے کے بعد جب اندھیرا چھیلے تو تُو اُس غار میں اپنے آپ کو گرا دینا۔"

امیر حمزہ نے تختی کو پڑھ کر جیب میں رکھا اور ہاتھ کی طرف بڑھے۔ وُہ اُنہیں قریب پا کر بُری طرح سے چنگھاڑنے لگا۔ اُس کی آواز ایسی بھیانک تھی کہ کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ کالا پہاڑ سا جِسم جب حرکت کرتا تو یوں نظر آتا جیسے کوئی آتش فشاں پھٹنے والا ہے۔ یکایک لوہے کی زنجیریں چٹ چٹ ٹُوٹ گئیں اور ہاتھی چنگھاڑتا ہُوا امیر حمزہ کی طرف لپکا۔ وُہ دائرے کی شکل میں بھاگنے لگے۔ پھِر پلٹ کر نہایت پھُرتی سے اُنھوں نے اپنی تلوار کی نوک ہاتھی کی سُونڈ میں چبھو دی۔ تلوار کا لگنا تھا کہ ہاتھی دھڑام سے زمین پر گِرا اور اُس میں آگ لگ گئی۔ پھِر رنگ برنگے شُعلے نکلنے لگے جن کی اُونچائی ہزاروں گز تک تھی۔ اُس کے بعد گھُپ اندھیرا چھا گیا۔ امیر حمزہ نے جلدی سے اپنے آپ کو غار میں گِرا دیا۔ عین اُسی لمحے سو من وزنی پتھّر فضا میں اُڑتا ہُوا آیا اور وہاں آن گِرا جہاں کُچھ دیر پہلے حمزہ کھڑے تھے۔ اُس پتھّر کے

ِگرنے سے زلزلہ آیا۔ پھِر آواز آئی:

”مارامجھ کو کہ میرا نام فیلان جادُو تھا۔“

تزوِیر جادُوگر کی عیّاری

اِنتشار شاہ نے دربار میں سب جادُوگروں پر گھُومتی ہُوئی نظر ڈالی اور دانت پیس کر بولا۔ ”تعجّب ہے، ایک آدم زاد اتنی دُور سے چل کر یہاں آیا ہے اور اب ہمارا یہ پچاس ہزار برس پُرانا طلِسم برباد کرنے پر تُلا ہوا ہے، مگر ہم اُس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ کِتاب خواں انجم نے ہماری نافرمانی کی اور وُہ قیمتی تختی امیر حمزہ کے حوالے کر دی۔ اِس سے پہلے وُہ طلسمی تاج اور زربفتی بارگاہ بھی اُنہیں دے چُکا ہے۔ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ کِسی جادُوگر کی اِن کے سامنے پیش نہیں جاتی۔ اب میں اِعلان کرتا ہُوں کہ تُم میں سے جو جادُوگر امیر حمزہ سے تختی چھین لائے گا، اُسی کو اپنا وزیرِ اعظم بناؤں گا۔“

اِنتشار شاہ کی یہ تقریر سُن کر سب کو سانپ سونگھ گیا۔ بُہت دیر تک کوئی نہ

بولا۔ آخر تزویر جادُو اپنی جگہ سے اُٹھ کر آداب بجالایا اور کہنے لگا:

"حضور، میں اِس کام کا بیڑا اُٹھاتا ہُوں اور حمزہ سے تختی چھین کر لاتا ہُوں۔"

"آفرین۔ آفرین۔" اِنتشار شاہ نے خُوش ہو کر کہا۔ پھِر تزویر جادُو کی پیٹھ ٹھونکی، خلعت عطا کیا اور اس مُہم پر جانے کی اِجازت دی۔ تزویر جادُو روانہ ہوا اور اُسی باغ میں آیا جِس میں امیر حمزہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ اِتّفاق ایسا تھا کہ اُس باغ کا مالک بھی تزویر جادُو ہی تھا۔

ایک دِن امیر حمزہ شام کے وقت ٹہلتے ہوئے تالاب کے کنارے پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ آبنُوس کی بنی ہُوئی ایک خوبصُورت چوکی پر سو سال کا ایک بُڈّھا بیٹھا کوئی کِتاب پڑھ رہا ہے۔ شکل ایسی نورانی کہ بس دیکھتے ہی رہو۔ امیر حمزہ نے خیال کیا کوئی بزُرگ ہیں۔ اِن سے ملنا چاہیے، قریب جا کر ادب سے سلام کیا۔ اُس نے نظر اُٹھائی۔ مُسکرا کر بڑی محبّت سے سلام کا جواب دیا اور کہا:

"آؤ میاں حمزہ، میں تمہارا ہی اِنتظار کر رہا تھا۔ کہو خیریت سے تو ہو؟"

”جی ہاں حضرت، ابھی تک تو اللہ کے فضل سے خیریت سے ہُوں۔“ امیر حمزہ نے جواب دیا۔ ”لیکن یہ تو فرمائیے کہ آپ کون ہیں اور میرے نام کا آپ کو کیسے عِلم ہُوا؟“

”ارے میاں، میں کِتاب خواں انجم کا بڑا بھائی ہُوں، تمھیں ایک تحفہ دینے آیا ہُوں۔ اِس طلِسم کے چار مرحلے تُم نے فتح کیے۔ اب پانچواں درپیش ہے۔ اِس لیے یہ کاغذ پیش کرتا ہُوں۔ اب وُہ تختی بے کار ہو گئی ہے، اُس کی جگہ یہ کاغذ کام دے گا۔“

”میں آپ کا بُہت بُہت شکر گزار ہُوں۔“ امیر حمزہ نے کہا ”آپ کے بھائی انجم کے بھی مجھ پر احسانات ہیں کہ یہ تختی اُن ہی نے مجھے دی تھی۔ لائیے یہ کاغذ جیب میں رکھ لُوں۔“

”کاغذ لینے سے پہلے غُسل کرنا ضروری ہے۔“ بُڈّھے نے کہا۔

”بُہت بہتر۔ آپ کے اِرشاد کی تعمیل کرتا ہُوں۔“ امیر حمزہ نے کپڑے اُتار

کر ایک طرف رکھے۔ صِرف لُنگی باندھے رہے۔ پھِر تاج بھی سر سے اُتار کر ایک جانب رکھا اور تالاب میں نہانے لگے۔ تزویر جادُو، جو بُڈّھا بنا ہوا تھا، فوراً موقع پا کر آگے بڑھا اور امیر حمزہ کے کپڑوں میں سے تختی نکال کر اپنے قبضے میں کر لی۔ پھِر قہقہہ لگا کر کہنے لگا۔

"اے حمزہ، تجھ جیسا احمق بھی روئے زمین پر کوئی نہ ہو گا۔ دیکھ میں اِس تختی کو لِیے جاتا ہُوں۔ میرا نام تزویر جادُو ہے، تجھ سے ہو سکتا ہے تو یہ تختی چھین لے۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ کے ہوش اُڑ گئے۔ فوراً تالاب سے باہر آئے، تاج سر پر رکھا اور تلوار کھینچ کر تزویر کے پیچھے لپکے مگر وُہ فوراً دُھواں بن کر غائب ہو گیا۔ امیر مایوس ہو کر واپس آئے۔ اِتنے میں اِس تاج کے غُلام دیو حاضر ہوئے۔ امیر حمزہ نے اُن سے سارا ماجرا کہا۔ دیو افسوس کرنے لگے اور کہا:

"اے حمزہ، یہ بھی غنیمت ہے کہ اُس نے تاج پر ہاتھ نہ ڈالا، ورنہ آپ کی زندگی محال تھی۔"

اُدھر تزویر جادُو وُہ تختی لے کر اِنتشار شاہ کے پاس پُہنچا۔ اُس نے خُوش ہو کر گلے سے لگایا اور وزارت کا عُہدہ دیا۔ پھر کہنے لگا:

"اب میں دیکھتا ہُوں کہ حمزہ کیا کرے گا۔ ناکوں چنے نہ چبوا دیے ہُوں تو میرا نام بھی اِنتشار نہیں، کُچھ اور ہے۔"

اِس کے بعد اِنتشار شاہ نے ماش کے آٹے میں یہ تختی رکھی۔ پھر سوزن جادُو کو طلب کر کے ایک منتر پڑھا۔ کھوپڑی سوزن جادُو کے تن سے الگ ہُوئی۔ اِنتشار نے اُس کھوپڑی کو تراشا اور تختی اُس کے اندر رکھ کر کُچھ اور منتر پڑھا۔ وُہ کھوپڑی پھِر ویسی ہی ہو گئی اور سوزن جادُو کے بدن سے جا لگی۔ اِس کے بعد اِنتشار شاہ نے ایک اور منتر پڑھا۔ اُس کے پڑھتے ہی زمین شق ہُوئی اور سوزن جادُو اُس میں سما گیا۔ اِنتشار شاہ نعرہ لگا کر کہنے لگا:

"میں نے اِس تختی کو زمین کے سب سے نِچلے حصّے میں پہنچا دیا ہے۔ اب وہاں سے اِس کا نکلنا مُمکن نہیں۔۔۔ افسوس اِس بات کا ہے کہ اب بھی اُس کے پاس وُہ تاج اور زر بفتی بار گاہ موجُود ہے۔ ورنہ میں اُسے ضرور مار ڈالتا۔"

یہ سُن کر ارجل جادُو اپنی جگہ سے اُٹھا اور آداب بجالا کر بولا۔ ''حضور، اگر اِجازت ہو تو یہ غُلام جائے اور حمزہ کو ہلاک کرے۔''

''اِجازت ہے۔ اپنے ساتھ ایک ہزار جادُوگر لے جا۔'' اِنتشار شاہ نے کہا۔

ارجل جادُو جادُوگروں کی فوج لے کر چلا اور باغِ کرامت کے برابر میں آن کر ڈیرا ڈال دِیا پھر ایک قاصِد کو پیغام دے کر امیر حمزہ کے پاس بھیجا جِس کا مطلب یہ تھا کہ اے حمزہ، اگر تُو اُس تختی کے بھروسے پر یہ طِلسم فتح کرنے آیا تھا تو کوئی کمال نہیں کیا۔ تختی تجھ سے چھِن چکی۔ اب بارگاہِ زربفتی اور طِلسمی تاج کے بل پر لڑتا ہے تو یہ بھی بہادُری نہیں۔ اگر واقعی جواں مرد ہے۔ اِن کے بغیر ہم سے آن کر لڑ۔

یہ پیغام سُنتے ہی امیر حمزہ کو تاؤ آیا۔ غُلام دیوؤں کو حکم دیا کہ ہمارا خیمہ باغِ کرامت سے باہر لے جا کر نصب کیا جائے۔ پری زادوں اور دیوؤں نے بُہت منع کیا مگر امیر حمزہ نے کِسی کی نہ سُنی۔ آخر مجبور ہو کر پری زادوں نے حمزہ کا خیمہ باغ سے باہر لگا دیا۔ رات کے وقت ارجل جادُو کے جادُوگروں نے طبلِ

جنگ بجایا۔ صُبح کو امیر حمزہ میدان میں آئے۔ ارجل جادُو مُقابلے پر آیا۔ اُس نے حمزہ پر جادُو کے کئی تیر چلائے مگر تاج کی برکت سے سب کے سب خالی گئے۔ یہ دیکھ کر ارجل نے بھاگنے کی کوشش کی مگر حمزہ نے نیام سے عقربِ سُلیمانی کھینچ کر اُس کے سر پر ماری۔ ارجل دو ٹکڑے ہو کر گرا۔ اُس کے شاگرد چاروں طرف سے امیر حمزہ پر ٹوٹ پڑے مگر اُنہوں نے ایک ہاتھ میں چار چار کو جہنّم رسید کیا۔ آخر وُہ وہاں سے بھاگے، اور ارجل جادُو کی لاش لے جا کر اِنتشار شاہ کے سامنے رکھ دی۔ اُسے بے حد صدمہ ہوا۔ تزویر جادُوگر کی طرف مُنہ کر کے کہنے لگا:

"اے بے وقوف، تُو نے حمزہ سے تختی تو چھین لی مگر تاج پر قبضہ نہ کیا۔ اُسی تاج کی وجہ سے وُہ کسی کے قابو میں نہیں آتا اور اُس پر کوئی جادُو اثر نہیں کرتا۔" تزویر نے شرمندہ ہو کر گردن جھکالی اور کُچھ جواب نہ دیا۔

ارجل کا بھائی مرجل جادُو اُس وقت دربار میں موجُود تھا اور اپنے بھائی کے مارے جانے پر اُس کی آنکھوں میں خُون اُتر آیا تھا۔ وُہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور

کہنے لگا۔ ”جہاں پناہ، میں اپنے بھائی کے خُون کا بدلہ حمزہ سے لینے جاتا ہُوں۔“

یہ کہہ کر وُہ اپنے مکان پر آیا۔ بُہت سے سؤر منگوا کر کاٹ ڈالے۔ اُن کے خُون سے ایک حوض بھر گیا۔ پِھر اُس نے ایک طِلسم پڑھا اور خُون کے اُس حوض میں کُود گیا۔ تھوڑی دیر بعد باہر آیا تو سارا جسم تانبے کی مانند سخت اور سُرخ ہو چُکا تھا۔ اُس نے اپنے کئی شاگردوں کو بھی خُون کے اِس حوض میں غُسل دے کر تانبے کا بنایا اور ساتھ لے کر باغِ کرامت پر آیا۔

اِنتشار بادشاہ کی ایک بیٹی تھی جِس کا نام شہزادی فتانہ گوہر تھا۔ اپنے باپ کے برعکس شہزادی فتانہ نہایت رحم دِل اور نیک لڑکی تھی۔ اُس نے امیر حمزہ کی بہادری اور شجاعت کے بُہت قصّے سُنے تھے اور اُنہیں دیکھنے کی خواہش مند تھی۔ جب اُسے پتا چلا کہ امیر حمزہ اس طِلسم کو فتح کرنے کے لیے آئے ہیں تو بُہت خُوش ہُوئی اور اُس نے اپنے باپ سے کہا کہ امیر حمزہ کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ یہ سُن کر اِنتشار شاہ ناراض ہوا اور شہزادی کو ایک ویران قلعے میں قید کر دیا۔ ایک دِن شہزادی کو پتا چلا کہ اِنتشار شاہ نے تزویر جادُوگر کے

ذریعے امیر حمزہ سے مُقدّس تختی چھین کر زمین کے ساتویں طبقے میں دفن کرا دی ہے۔ اُسے اِس خبر سے بے حد رنج ہُوا، کھانا پینا چھوڑ دیا۔ کئی دِن گُزر گئے۔ ساتویں روز شہزادی کی بوڑھی انّا وہاں آئی۔ تب شہزادی نے اُسے الگ لے جا کر کہا:

"امّاں، غضب ہو گیا۔ امیر حمزہ سے مُقدّس تختی چھِن گئی ہے اور ابّا جان نے زمین کے سب سے نِچلے حِصّے میں دفن کر دی ہے۔ اب تمام جادُو گر مِل کر امیر حمزہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ تُم بھی بُہت بڑی جادُو گر ہو۔ کِسی طرح حمزہ کو بچاؤ اور وُہ تختی زمین سے نِکال کر اُس تک پہنچا دو۔"

بُڑھیا نے دانتوں تلے اُنگلی دبائی اور کہنے لگی۔ "اے بیٹی، یہ کیا کہتی ہے، ہوش کی دوا کر۔ کِسی نے سُن لیا تو میری ناک چوٹی کٹوا دی جائے گی۔ اب اُس تختی کا دوبارہ مِلنا محال ہے۔ جب تک تیرا باپ قتل نہ ہو گا، اُس وقت تک تختی کِسی کے ہاتھ نہ آئے گی۔ ہاں، میں نے ایک تلوار بنائی ہے، اگر وُہ مرجل جادُو پر پڑے تو یُوں کٹ جائے، جیسے ہیرے کی کَنّی سے شیشہ کٹ جاتا ہے۔"

شہزادی فتانہ نے بڑھیا کے گلے میں محبّت سے باہیں ڈال کر کہا۔ ”پیاری امّاں، یہ تلوار ہی امیر حمزہ کو دے آؤ۔ اگر وُہ زندہ رہیں گے تو تخت ملنے کی توقّع تو رہے گی۔“

بڑھیا نے پھِر کانوں کو ہاتھ لگایا اور بولی۔ ”معلُوم ہوتا ہے تُم اپنی ضِد سے باز نہ آؤ گی اور میرا چُونڈا مُنڈوا کر رہو گی۔ اری بے وقوف، قدم قدم پر بادشاہ کے جاسوس لگے ہُوئے ہیں۔ ایک ایک لمحے کی خبر ہر دم بادشاہ تک پہنچتی ہے، میں تلوار حمزہ کو کیسے پہنچاؤں گی؟“

شہزادی مایوس ہُوئی اور اُس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گِرنے لگے۔ آخر شہزادی کی ایک راز دار کنیز گوہر جادُو ہاتھ باندھ کر سامنے آئی اور کہنے لگی:

”اے ملکۂ عالم، اگر مجھے حکم ہو تو یہ تلوار امیر حمزہ تک پُہنچا دُوں؟“

شہزادی نے خُوش ہو کر اِجازت دی۔ بُڑھیا نے وُہ تلوار لا کر گوہر جادُو کے حوالے کی اور وُہ تلوار لے کر باغِ کرامت کی طرف چلی۔ اُدھر مرجل جادُو

نے طبلِ جنگ بجوا دیا تھا۔ امیر حمزہ بھی اپنی بارگاہ سے نِکلے اور نقّارہ بجایا۔ تب مرجل کَیل کانٹے سے لیس ہو کر حمزہ کے مُقابلے میں آیا اور اپنے تیروں پر منتر پڑھ کر امیر حمزہ پر چلائے۔ مگر اُن پر کوئی اثر نہ ہُوا اور تمام تیر آپ ہی آپ ٹُوٹ کر گِر پڑے۔ یہ دیکھ کر مرجل جادُو نے تلوار سونت لی اور حمزہ کی طرف لپکا۔ اُنھوں نے بھی اپنی تلوار کھینچی اور جنگ شروع ہُوئی۔ مرجل کے کئی وار روک کر امیر حمزہ نے ایسا وار کیا کہ تلوار مرجل کی کھوپڑی پر پڑی، مگر اُچٹ گئی اور ایسی آواز آئی جیسے لوہے پر ضرب پڑی ہے، یہ دیکھ کر امیر حمزہ حیران ہوئے۔ پھِر سنبھل کر اُنھوں نے کئی وار کیے لیکن بے سُود۔ ہر مرتبہ تلوار اُچٹ جاتی۔ ایسا معلُوم ہوتا تھا کہ مرجل جادُو کا جسم لوہے کا بنا ہوا ہے اور اُس پر تلوار ہرگز اثر نہ کرے گی۔ امیر حمزہ نے اپنے دِل میں کہا کہ اب کیا کروں؟ اس جادُو سے کہاں تک لڑوں گا؟ جونہی میرے بازُو شل ہُوں گے۔ یہ مُوذی مجھے کاٹ کر ڈال دے گا۔ یا الٰہی، تو ہی مدد کرنے والا ہے۔

مرجل نے جب امیر حمزہ کو سُست دیکھا تو بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگا۔ امیر وار بچاتے گئے۔ ناگاہ ایک ہاتھ نمودار ہوا۔ اُس ہاتھ میں ایک تلوار تھی۔ وُہ پراسرار ہاتھ امیر حمزہ کی طرف بڑھا۔ اُنھوں نے بائیں ہاتھ سے یہ تلوار پکڑ لی۔ اِتنے میں مرجل آگے آیا، امیر حمزہ نے بائیں ہاتھ کی تلوار سے وار کِیا۔ اُس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور اندھیرا چھا جانے کے بعد آواز آئی:

"میرا نام مرجل جادُو تھا۔ آج دس ہزار برس بعد حمزہ کے ہاتھوں مارا گیا۔"

مرجل کے مرتے ہی اُس کے تمام شاگرد بھی شاگرد بھی خُود بخُود فنا ہو گئے۔ امیر حمزہ نے وُہ پراسرار تلوار اپنے پاس رکھی اور دِل میں کہا کہ یہ ضُرور کِسی دوست نے مدد کی ہے۔ پری زادوں نے زربفتی بارگاہ قائم کی اور امیر حمزہ نے اُس میں آرام کیا۔

اُدھر مرجل جادُو کی لاش جب اِنتشار شاہ کے سامنے گئی تو سخت بدحواس ہوا اور کہنے لگا۔ "حمزہ نے میرے اِس زبردست جادُوگر کو بھی مار ڈالا۔ ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ وُہ ہار ماننے والا نہیں ہے۔ ایسا ہو کر کِسی روز وُہ میرا ہی کام تمام

کرے۔۔۔کِسی تدبیر سے اُس کو باغِ کرامت کے اندر ہی قید کر دیا جائے۔"

یہ سُن کر دو جادُوگر سر جھُکا کر سامنے آئے اور کہنے لگے۔ "عالی جاہ، یہ ہمارا ذمّہ ہے کہ حمزہ باغِ کرامت میں سے نکلنے نہ پائے گا اور وہیں قید رہے گا۔"

یہ دونوں جادُوگر بھی سگے بھائی تھے۔ ایک کا نام خُوں خوار جادُو اور دوسرے کا خُوں ریز جادُو تھا۔ یہ دونوں دربار سے نِکل کر اپنے مکان پر آئے، آٹھ روز تک چِلّہ کھینچنے کے بعد باغِ کرامت کے نزدیک پہنچے اور ایسا منتر پڑھا کہ ایک عظیم قلعہ باغ کے چاروں طرف خُود بخُود بن گیا اور اُس قلعے کی دیواریں اِتنی اُونچی ہو گئیں کہ آسمان کو چھُونے لگیں۔

دیوؤں اور پری زادوں نے فوراً امیر کو خبر کی۔ وُہ بار گاہ سے نکلے اور دیکھا کہ باغ کے چاروں طرف نہایت اُونچی دیواریں کھڑی ہیں جنہیں ہٹانا یا پار کرنا مُمکن نہیں ہے۔

کہتے ہیں امیر حمزہ مُدّت تک اِسی باغ میں قید رہے۔ رہائی کی سینکڑوں

کوششیں کیں۔ مگر بے کار۔ آخر تنگ آ کر رونے لگے اور روتے روتے ہی نیند آ گئی۔ خواب میں ایک بزُرگ کو دیکھا جو فرماتے تھے:

”اے حمزہ، تُو نے تختی ضائع کر دی۔ اب کیوں کر اِس طلِسم کو توڑے گا؟“

امیر حمزہ نے اُن بزُرگ کے ہاتھ چُومے اور کہا۔

”حضرت مجھ سے خطا ہُوئی مگر اب یہ وقت بڑا سخت ہے۔ آپ ہی کرم فرمایئے۔“

تب اُن بزُرگ نے ایک خنجر آب دار عنایت کِیا اور کہا ”اُس تختی کا کام یہ خنجر دے گا۔ اِسے حفاظت سے رکھنا۔“

یہ کہہ کر وُہ غائب ہو گئے۔ امیر حمزہ کی آنکھ کھُلی تو دیکھا کہ ایک خنجر سرہانے رکھا ہے۔ اُنھوں نے یہ خواب پری زادوں سے بیان کیا۔ سب بہُت خُوش ہوئے اور مبارک باد دینے لگے۔ امیر حمزہ نے خنجر کو بوسہ دیا اور اُس کے پھل کو غور سے دیکھا۔ اُس پر لِکھا تھا:

”اے حمزہ، اِس خنجر کی نوک سے قلعے کی شمالی دِیوار کو کھودنا شروع کر۔ خُدا نے چاہاتو تجھے باہر جانے کا راستہ مِل جائے گا۔“

امیر حمزہ نے ایسا ہی کیا۔ وُہ قلعے کی شمالی دیوار کو کھودنے لگے۔ تھوڑی دیر میں اِتنا راستہ بن گیا کہ ایک آدمی اُس میں سے آسانی سے گُزر سکتا تھا۔ قلعے سے باہر نِکلے تو ایک بڑی خندق نظر آئی جو لبالب خُون سے بھری ہُوئی تھی امیر حمزہ نے پھِر خنجر کو دیکھا۔ اُس پر لکھا تھا:

”اے حمزہ، خُوں ریز جادُو فلاں درخت کے نیچے کمبل اُوڑھ لیٹا ہے۔ اُسے جا کر مار دے۔ یہ خندق غائب ہو جائے گی۔“

امیر حمزہ اُس درخت کے نزدیک گئے۔ خُوں ریز جادُو نے قدموں کی آہٹ پا کر آنکھ کھولی۔ دیکھا کہ حمزہ سر پر آ گئے ہیں۔ بدحواس ہو کر طرح طرح کے منتر پڑھنے لگا مگر خنجر اور تاج کی برکت سے کِسی منتر نے اثر نہ کیا۔ آخر عُقاب کی شکل بن کر اُڑا لیکن حمزہ نے وہی خنجر کھینچ کر مارا۔ عُقاب قلابازیاں کھاتا ہُوا نیچے آیا اور مر گیا۔ اُس کے مرتے ہی زمین کانپنے لگی، آسمان گھُومنے

لگا، تاریکی چھاگئی۔ پھِر ایک بھیانک شور میں سے یہ آواز سُنائی دی:

"میرا نام خُوں ریز جادُو تھا۔ آج بیس ہزار برس بعد حمزہ کے ہاتھ سے اپنے انجام کو پہنچا۔"

جب اندھیرا دُور ہُوا تو وُہ فصیل بھی غائب تھی اور خُون سے بھری ہُوئی خندق بھی۔ امیر نے خنجر کو دیکھا تو اُس پر لکھا تھا:

"خُوں خوار جادُو بھی قریب ہی چھُپا ہُوا ہے۔ اُسے جانے نہ دینا ورنہ مُشکل میں پھنس جاؤ گے۔"

امیر حمزہ نے دیکھا کہ خُوں خوار جادُو باغِ کرامت کے باہر ایک جگہ چھُپا ہُوا ہے۔ جب امیر نے اُسے مارنے کے لیے تلوار اُٹھائی تو وُہ خُوشامد کرنے لگا کہ "اے حمزہ، مجھے مت مارنا۔ میں تمہاری اِطاعت قبُول کرتا ہُوں؟"

امیر حمزہ نے اُسے چھوڑ دینے کا اِرادہ کیا تو اچانک خنجر ہاتھ میں کانپا۔ حمزہ نے اُسے دیکھا تو لِکھا تھا:

”اے حمزہ، اس جادُوگر کے فریب میں نہ آ اور فوراً اِسے قتل کر۔“

ابھی حمزہ خنجر کی یہ عبارت پڑھ ہی رہے تھے کہ خُوں خوار جادُو نے موقع پا کر طِلسمی پنجہ اُن کی طرف پھینکا مگر تاج کی برکت سے امیر حمزہ کو کوئی گزند نہ پہنچا۔ اُنہوں نے تلوار خُوں خوار کے سینے میں گھونپ دی۔ وُہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

اِتنے میں پری زادوں نے بار گاہِ زر بفتی لا کر آراستہ کی۔ امیر حمزہ نے خنجر کو دیکھا۔ اُس پر لِکھا تھا:

”بار گاہ میں ہر گز نہ جانا۔ بائیں طرف کا راستہ پکڑو۔“

امیر بائیں طرف چل پڑے۔ کُچھ دُور گئے تھے کہ آگ کا دریا نظر آیا۔ خنجر نے ہدایت کی کہ آنکھ بند کر کے بے دھڑک اِس دریا میں کود جاؤ۔ امیر حمزہ نے ایسا ہی کیا۔ یوں محسوس ہوا جیسے کِسی سرد اور تاریک کنویں میں پھینک دیے گئے ہُوں۔ مُدّت بعد زمین پر پیر ٹِکے۔ آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو

ایک پُر فضا باغ میں کھڑے پایا۔ سامنے ایک بارہ دری میں کئی سیاہ فام دیو بیٹھے گوشت دانتوں سے بھنبھوڑ بھنبھوڑ کر کھا رہے تھے۔ امیر نے خنجر کی طرف دیکھا۔ اُس پر لکھا تھا:

"اے حمزہ، یہ سب جادُوگر ہیں۔ جادُو کے زور پر دیو بنے ہوئے ہیں۔ اِن میں جو سب سے بڑا دیو ہے، اُس کا نام سوزن جادُو ہے اور اُسی کی کھوپڑی کے اندر اِنتشار شاہ نے وُہ تختی چھُپائی ہے۔"

اِن دیوؤں نے جب امیر حمزہ کو باغ میں دیکھا تو چاروں طرف سے ہلّا بول دیا۔ حمزہ نے تلوار اور خنجر سے اُن کا صفایا کرنا شروع کیا۔ دیر تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر سوزن جادُو مارا گیا۔ امیر حمزہ نے اُس کا سر تَن سے جُدا کیا اور اپنی بار گاہ میں آئے۔ خنجر کو دیکھا، اُس پر لکھا تھا:

"اے امیر، اِس کھوپڑی کو اِحتیاط سے تراش کر تختی نِکال۔ کھوپڑی کے ٹکڑے بھی حفاظت سے رکھنا۔ وقت پر کام دیں گے۔ جس کو دے گا، اُس پر جادُو اثر نہ کرے گا۔" امیر حمزہ نے اِس ہدایت پر پُورا پُورا عمل کیا اور تختی

نِکال کر اپنے قبضے میں لے لی۔

اُدھر اِنتشار شاہ کو خبر مِلی کہ سوزن جادُو مارا گیا اور تختی امیر حمزہ کے پاس پہنچی۔ اُس نے سر پیٹ لِیا، دُم کٹی چھپکلی کی طرح پھڑ کنے لگا۔ آخر شُعلہ وزیر سے کہا:

"اب تیری باری ہے۔ حمزہ کے مُقابلے میں جا۔ اُسے کِسی طرح آگے بڑھنے سے روک۔"

حکم پاتے ہی شُعلہ وزیر ہُوا کی تیزی سے روانہ ہُوا۔ باغِ کرامت کے نزدیک آ کر اپنا ٹھکانا فضا میں بنایا اور وہیں سے ماش کے دانوں پر جادُو پڑھ پڑھ کر پھینکنے لگا۔ جس دیو یا پری زاد پر دانہ پڑتا، وہی پتھّر ہو جاتا۔ چند لمحوں کے اندر اندر شُعلہ نے طِلسم کے ذریعے امیر حمزہ کی بارگاہ کے تمام غُلاموں کو پتھّر کے بُتوں میں تبدیل کر دیا۔ امیر حمزہ حیران پریشان تھے کہ یہ کیا تماشا ہے۔ آخر سر اُٹھا کر دیکھا تو فضا میں شُعلہ وزیر نظر آیا۔ اُنہوں نے فوراً کمان میں تِیر جوڑا اور چاہا کہ ماریں مگر شُعلہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پھر اُس نے ایسا منتر پڑھا کہ

پورے باغ میں آگ لگ گئی اور فقط اِتنی جگہ باقی رہ گئی جہاں امیر حمزہ بیٹھے تھے۔ تمام باغ میں دھواں ہی دھواں اور شعلے ہی شعلے نظر آتے تھے۔

امیر نے تختی کو دیکھا۔ لِکھا تھا:

"اے حمزہ، یہ جادُو شُعلہ وزیر نے کیا ہے۔ تُو اِس اِسم کو پڑھ کر کنکریوں پر دم کر اور پھر یہ کنکریاں آگ میں پھینک دے۔ ایک دروازہ نمودار ہو گا۔ تُو اِس دروازے میں سے نِکل جائیو۔ جب تک شُعلہ وزیر نہ مارا جائے گا، اُس وقت تک تیرے غُلاموں میں سے کوئی بھی اصلی صُورت پر نہ آئے گا۔"

غرض امیر نے وُہ اِسم پڑھ کر سنگ ریزوں پر دم کِیا اور آگ میں پھینکا۔ فوراً ایک دروازہ دِکھائی دِیا۔ امیر حمزہ اُس دروازے سے نِکل کر باغ سے باہر آئے۔ پھِر تختی پر نظر ڈالی۔ لکھا تھا:

"اب جِس طرف جی چاہے چلا جا۔ مگر کبھی کبھی تختی کو ضرور دیکھتے رہنا۔"

امیر حمزہ خُدا کا نام لے کر دائیں جانب روانہ ہوئے، ایک صحرا میں پہنچ کر چار

دیواری نظر آئی۔ اُس کا دروازہ کھُلا ہوا تھا۔ بے دھڑک اندر چلے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خُوش نُما اور پُر فضا باغ ہت۔ جواہر نگار میزیں اور کُرسیاں جابجا رکھی ہیں۔ یاقوت کے ایک بیش قیمت تخت پر کوئی شخص بیٹھا کتاب پڑھ رہا ہے اور قریب ہی دوسرا شخص کھڑا غور سے سُن رہا ہے۔

امیر حمزہ کے قدموں کی آہٹ پا کر اُس شخص نے نظریں اُٹھائیں اور جلدی سے کِتاب بند کر دی۔ کِتاب بند کرتے ہی باغ میں گھُپ اندھیرا چھا گیا۔ امیر کا دَم گھُٹنے لگا۔ دِل میں کہنے لگا بڑا غضب ہوا تختی کو نہ دیکھ سکا۔ اب اِس اندھیرے میں پتا کیسے چلے گا کہ تختی پر لکھا کیا ہے۔ یہ بات سوچ ہی رہے تھے کہ کِسی نے اُن کی تختی پر ہاتھ ڈالا۔ امیر حمزہ نے ایک ہاتھ سے تختی کو سنبھالا اور دوسرے سے تاج کو مضبوطی سے پکڑا۔ تاج کے اندر گوہرِ شب چراغ لگا تھا۔ اُس کی روشنی میں تختی کو دیکھا لکھا تھا: ”جہاں تک مُمکن ہو، اِس کِتاب پڑھنے والے آدمی کو قتل کر اور اگر یہ مُمکن نہ ہو تو جواہر نگار میز اور یاقوت کے تخت کو اُلٹ دے۔ اُس کے نیچے ایک نقب ہے۔ نقب کے اندر

چلا جا۔ پھر تختی کو دیکھ لینا۔"

امیر حمزہ نے گوہرِ شب چراغ کی روشنی میں یاقوتی تخت اور جواہر نگار میز کو تلاش کر کے اُلٹ دیا۔ ایک دروازہ دِکھائی دیا۔ اُس میں سیڑھیاں بنی ہُوئی تھیں۔ سیڑھیاں اُتر کر ایک اور باغ میں پہنچے۔ دیکھا کہ ایک تین منزلہ مکان ہے جِس کے سامنے سینکڑوں بگھیاں کھڑی ہیں اور ہزاروں مرد عورتیں وہاں جمع ہیں۔ سب کی نظریں اُس مکان پر جمی ہُوئی ہیں۔ امیر حمزہ نے چاہا کہ اِن لوگوں سے کُچھ پُوچھیں، پھر خیال آیا کہ تختی دیکھ لوں۔ اُس پر لکھا تھا:

"اِن میں سے کِسی شخص سے بات نہ کرنا ورنہ آفت میں پھنس جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ اِس مکان میں داخل ہو کر دوسری منزل پر چلا جا۔"

امیر حمزہ نے ایسا ہی کیا۔ جب وُہ مکان کی طرف چلے تو سب نے راستہ دے دیا اور کِسی نے نہ روکا۔ وُہ دوسری منزل پر آئے۔ دیکھا کہ بڑی تیّاریاں ہیں، سینکڑوں صندُوق برابر برابر رکھے ہیں۔ قریب ہی سونے کا ایک گھڑیال اور ایک مُوگری رکھی ہے۔

یکایک ایک صندُوق کا ڈھکنا آپ ہی آپ کھُل گیا، اور اس میں سے شوخ رنگ کا ایک خُوب صُورت پرندہ باہر آیا۔ تین مرتبہ افسوس۔۔۔ صد افسوس کہہ کر پُکارا۔ اِس عجیب پرندے کی آواز پر گھڑیال بھی تین مرتبہ بجا۔ پھر وُہ پرندہ واپس صندُوق میں چلا گیا اور ڈھکنا بند ہو گیا۔ امیر حمزہ حیران ہوئے اور دِل میں کہا شاید یہ سب لوگ اِسی پرندے اور گھڑیال کا تماشا دیکھنے جمع ہوئے ہیں۔ اِسی سوچ میں ایک گھنٹا گُزر گیا۔ وُہ پرندہ پھر نِکلا، اُسی طرح بولا۔ جواب میں گھڑیال بھی بجا۔ پھِر پرندہ صندُوق میں چلا گیا۔ اب امیر حمزہ نے اپنی تختی پر نگاہ ڈالی۔ لکھا تھا:

"اے حمزہ، کِس سوچ میں کھڑا ہے؟ اگر یہ پرندہ تین مرتبہ آواز لگا کر صندُوق میں چلا گیا تو کام بُہت دشوار ہو جائے گا۔ تجھے چاہیے کہ جُونہی یہ تیسری مرتبہ صندُوق سے باہر نکلے، کمان میں تِیر جوڑ کر مار۔"

ایک گھنٹا گُزرنے کے بعد وُہ پرندہ پھِر باہر آیا۔

امیر حمزہ نے اُسی وقت تیر مارا۔ تیر اُس کی گردن میں لگا اور پار نِکل گیا۔ چشمِ

زدن میں وُہ باغ اور مکان غائب ہو گیا۔ دیکھا کہ ایک بیابان ہے۔ ہُو کا عالم ہے۔ آدمی نہ آدم زاد۔ امیر حمزہ ایک طرف چلے۔ راستے میں ایک فقیر مِلا۔ حمزہ نے اُسے سلام کیا۔ فقیر نے سلام کا جواب دے کر کہا:

"آؤ بیٹا حمزہ، میں تمہارا ہی اِنتظار کر رہا تھا۔ قریب آن کر بیٹھو تا کہ تمہیں کُچھ نصیحت کروں۔"

امیر نے جب اُس کی شکل غور سے دیکھی تو معلُوم ہوا کہ یہ وہی شخص ہے جو یاقُوتی تخت پر بیٹھا کِتاب پڑھ رہا تھا۔ تب اُنہوں نے گرج کر کہا:

"او ملعون، میں تجھے خُوب پہچانتا ہُوں۔ تو وہی ہے جو باغ میں بیٹھا کِتاب پڑھتا تھا۔ اب میرے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا۔"

فقیر نے باز بن کر اُڑنے کی کوشِش کی مگر امیر حمزہ کی تلوار نے اُس کا کام تمام کیا۔ اِس کے بعد وُہ آگے بڑھے۔ کُچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک نخلستان سے گُزر ہُوا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ نُورانی صُورت کے ایک بزُرگ بیٹھے

تسبیح پڑھ رہے ہیں۔ امیر حمزہ نے قریب جا کر سلام کِیا۔ اُن بزُرگ نے کُچھ جواب نہ دیا اور آنکھیں بند کیے تسبیح پڑھتے رہے۔ آخر امیر نے خیال کیا کہ یہ کوئی بہُت بڑے بزُرگ ہیں۔ خُدا کی یاد میں اِتنے غرق ہیں کہ میرے آنے اور سلام کرنے کی خبر بھی نہ ہُوئی۔ یکایک تختی پر نظر پڑی۔ لکھا تھا:

”اے حمزہ، اِن بزُرگ کی نورانی صُورت پر نہ جانا۔ یہ دراصل تزویر جادُو ہے۔ اِس نے مکّاری سے تیری تختی چھینی تھی۔ فوراً اِس کو جہنّم رسید کر۔ اگر اس کا ہاتھ تسبیح کے آخری دانے تک پہنچ گیا تو تیرا کام تمام ہے۔“

یہ دیکھ کر امیر حمزہ نے تلوار کا ہاتھ مارا۔ تزویر جادُو کی گردن کٹ کر دُور جا گِری۔ ایک زبردست غُل مچا پھِر تاریکی میں سے آواز آئی:

”میرا نام تزویر جادُو تھا۔ آج پچاس ہزار برس بعد حمزہ کے ہاتھوں ہلاک ہُوا۔“

جب روشنی ہُوئی تو دیکھا کہ آگے آگے ایک جوان اور اس کے پیچھے کئی آدمی

چلے آتے ہیں۔ جوان نے قریب آ کر امیر حمزہ کو سلام کیا اور کہنے لگا۔ ”خُدا اس شخص کا بھلا کرے جِس نے تزویر جادُو کو ہلاک کر کے اُس کی قید سے رہائی دلائی۔ آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟“

”میرا نام حمزہ ہے اور میں نے تزویر جادُو کو مارا ہے۔ مرتاد شاہ نے مجھ سے کہا تھا کہ اِس طلِسم کو فتح کروں۔ میں اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے یہاں آیا ہُوں؟“

یہ سُنتے ہی وُہ جوان دوڑ کر امیر حمزہ کے قدموں پر گِرا اور کہنے لگا۔ ”میں ہی مرتاد شاہ کا بیٹا ہُوں، ملک زادہ میرا نام ہے۔“ امیر حمزہ نے اُسے گلے سے لگایا اور تسلّی دی کہ گھبراؤ مت، ابھی اِس طلِسم کے کئی مرحلے باقی ہیں۔ خُدا نے چاہا تو عنقریب اِنہیں بھی فتح کروں گا۔ پھر تمہیں مرتاد شاہ کے پاس لے چلوں گا۔ پھر اُنہوں نے اُس جوان کے ساتھیوں کے بارے میں پُوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ ملک زادہ نے بتایا کہ یہ سب وُہ بد نصیب ہیں جو مجھے ڈھونڈنے کے لیے اِس طلِسم میں داخل ہوئے اور تزویر جادُو کے ہتھّے چڑھ کر

قید ہو گئے۔

امیر نے اُن سب کو وہیں نخلستان میں رہنے کی ہدایت کی اور خُود آگے بڑھے۔ رات بھر سفر کرنے کے بعد ایک پہاڑی کے سامنے پہنچے۔ اُس کی چوٹی آسمان کو چھُو رہی تھی۔ تختی کے ذریعے ہدایت ملی کہ اِس پہاڑ پر چڑھ جا۔ امیر حمزہ پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ جب چوٹی پر پہنچے تو کیا دیکھا کہ ایک شخص زنجیروں میں جکڑا ہُوا ہے۔ بدن پہ جابجا زخم ہیں جِن سے خُون رِس رہا ہے۔ چہرے پر مُردنی سی چھائی ہے اور آنکھیں اندر کو دھنی ہُوئی ہیں۔ امیر حمزہ کو دیکھتے ہی اُس نے پکار کر کہا:

"اے حمزہ، خُدا کے واسطے مجھے رہا کراؤ۔ میں مُدّت سے اِس طلِسم میں پھنسا ہوا ہُوں۔"

امیر حمزہ نے چاہا کہ تختی دیکھ کر ہدایت لیں۔ مگر اُس شخص نے پھِر دردناک لہجے میں فریاد کی۔ امیر حمزہ نے تختی نہ دیکھی اور جلدی سے اُس کی زنجیریں کاٹ کر آزاد کر دیا۔ آزاد ہوتے ہی وُہ شخص زور سے ہنسا اور کہنے لگا۔

"اے حمزہ، خبر دار ہو جا۔ میرا نام فتنس جادُو ہے۔"

یہ کہتے ہی اُس نے تلوار سے حملہ کیا۔ امیر حمزہ نے اُس کا وار روکا اور عقرب سُلیمانی کا ایک ہاتھ مارا۔ فتنس جادُو کے دو ٹکڑے ہو گئے لیکن دیکھتے ہی دیکھتے یہ دونوں ٹکڑے لوٹ پوٹ کر دو فتنس بن گئے۔ امیر حمزہ نے اِن دونوں کو قتل کیا۔ پھر دو کے چار ہو گئے۔ غرض اِسی طرح ہزاروں پر نوبت پہنچی۔ اب تو حمزہ سخت پریشان ہوئے کہ یہ کیا مُصیبت ہے۔ تلوار چلاتے چلاتے اُن کے بازُو شل ہو گئے مگر دُشمنوں کی تعداد گھٹنے کی بجائے برابر بڑھتی ہی جاتی تھی۔ آخر اُنہوں نے تختی کی طرف دیکھا۔ لکھا تھا:

"اے حمزہ، اگر تُو اِس فتنس جادُو کی زنجیریں کاٹنے سے پہلے تختی کو دیکھ لیتا تو یہ مُصیبت نہ اُٹھانی پڑتی۔ یہ سب فتنس جادُو کے غُلام ہیں۔ جہاں تک قتل کرے گا، دُگنے تگنے چوگنے ہوتے چلے جائیں گے۔ فتنس جادُو اِس وقت ابر میں پوشیدہ ہے اور وہیں سے جادُو کر رہا ہے۔ تُو اِس تختی کو اُونچا کر اور پھر تماشا دیکھ۔"

امیر حمزہ نے ایسا ہی کیا۔ جونہی تختی اُونچی کی، آسمان پر چھائی ہُوئی کالی گھٹا دُور ہو گئی اور سُورج کی روشنی میں فتنس جادُو کا تخت نظر آیا۔ امیر حمزہ نے اُسی وقت تیر مارا اور وُہ زمین پر گِر کر فنا ہو گیا۔ اُس کے مرتے ہی دوسرے تمام فتنس خُود بخود غائب ہو گئے۔ پھِر کالی آندھی آئی اور اُس میں سے یہ آواز بلند ہُوئی:

"میرا نام فتنس جادُو تھا۔ آج پچیّس ہزار سال بعد مارا گیا۔"

امیر حمزہ نے ایک دِن اور ایک رات اُس پہاڑ پر بسر کی۔ اگلے روز وہاں سے چلے اور ایسے علاقے میں آئے جہاں جھلسا دینے والی گرم ہوا چل رہی تھی۔ امیر جُوں جُوں آگے بڑھتے گئے۔ فضا میں گرمی بڑھتی چلی گئی۔ امیر حمزہ کی زرہ آگ کی مانند جلنے لگی۔ وُہ بُہت گھبرائے۔ تختی کو دیکھا۔ اس میں لِکھا تھا:

"اے حمزہ، ڈر نہیں۔ آگے جا۔"

امیر آگے بڑھے۔ کُچھ فاصلے پر ایک درخت نظر آیا جو جڑ سے لے کر پھُنگی

تک آگ کا بنا ہُوا تھا اور اس میں سے جگنوؤں کی مانند شرارے اور پتنگے پھُوٹ رہے تھے۔ تختی پر لکِھا تھا:

”اے حمزہ، یہ آگ کا درخت نہیں، شُعلہ جادُو ہے۔ اِسی نے تیرے غلاموں کو پتھّر کا بنا دیا ہے اور یہ تیری تلوار سے نہیں مرے گا۔ جو تلوار اُس کے پاس ہے، اُس کی قضا اُسی تلوار سے لکھی ہے۔ تُو قریب جا کر یہ تختی اُس درخت پر دے مار۔“

امیر حمزہ جُونہی اِس آگ کے درخت کی جانب بڑھے ایک ہولناک آواز کانوں میں آئی:

”اے حمزہ، خبر دار، اِدھر نہ آنا ورنہ جلا کر راکھ کر دُوں گا۔“

لیکن حمزہ نے اس دھمکی کی پروانہ کی اور قریب جا کر تختی درخت پر دے ماری۔ تختی کا لگنا تھا کہ نہ وُہ آگ رہی نہ وُہ شعلے۔ سب کُچھ ختم ہو گیا اور شُعلہ جادُو کھڑا دِکھائی دیا۔ اُس کے ہاتھ میں دو دھاری تلوار تھی۔ غیظ و غضب

سے گالیاں بکتا ہُوا امیر حمزہ کی طرف لپکا اور تلوار سے حملہ کیا۔ اُنہوں نے وار خالی دے کر قبضے پر ہاتھ ڈالا اور جھٹکا مار کر شُعلہ کی تلوار چھین لی۔ وُہ ملعون بھاگا اور تھوڑی دُور جا کر منتر پڑھنے لگا مگر امیر حمزہ نے اُس کو زیادہ مہلت نہ دی۔ اُس کے پیچھے لپکے اور تلوار کا ایسا ہاتھ دیا کہ وُہ تربوز کی پھانک بن گیا۔ اُس کے مرتے ہی تاریکی چھاگئی اور ایک آواز آئی:

"میرا نام شُعلہ جادُو تھا۔ افسوس، صد افسوس۔ آج پچاس ہزار سال بعد حمزہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچا۔"

شعلہ کے مرتے ہی دیو اور پری زاد اپنی اصلی صُورتوں پر آئے اور فوراً بار گاہ زر بفتی لے کر امیر حمزہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سب نے مبارک باد پیش کی اور خُوب خوشیاں منائیں۔

امیر نے رات بھر بار گاہ میں آرام فرمایا اور صُبح ہوتے ہی آٹھویں مرحلے کی فِکر میں روانہ ہُوئے۔ تھوڑی دُور گئے تھے کہ ایک جنگل دِکھائی دیا۔ جا بجا تالاب اور نہریں جاری تھیں۔ خُوش الحان پرندے نغمے گا رہے تھے اور

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ کُچھ فاصلے پر ایک شخص آگ کے الاؤ کے نزدیک بیٹھا تسلے میں آٹا گوندھ رہا تھا۔ امیر حمزہ نے تختی سے مشورہ لیا۔ لکھا تھا:

"یہ اسم پڑھ کر سنگ ریزوں پر دم کر اور ہر تالاب میں پھینک۔"

اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سب تالاب ایک ایک کر کے غائب ہو گئے مگر ایک تالاب باقی رہ گیا۔ اُس کے اندر نہایت بُلند مینار بنا ہُوا تھا اور جو شخص آٹا گوندھتا تھا وُہ اس مِینار کا مُحافظ تھا۔ جب اُس نے امیر حمزہ کو وہاں کھڑے دیکھا تو گالیاں دیتا ہُوا آیا۔ امیر نے جلدی سے تختی پر نگاہ دوڑائی۔ لکھا تھا:

"اِسے فوراً مار ڈال۔ ذرا نہ سوچ کہ کون ہے اور کیا کرتا ہے۔"

جُونہی وُہ قریب آیا، امیر حمزہ کی تلوار اُس کے سر پر پڑی اور پلک جھپکتے میں وُہ جہنم کی طرف روانہ ہُوا۔ تاریکی میں سے آواز آئی:

"آہ، آج بیس ہزار برس بعد مارا گیا کہ نام میر بُحران جادُو تھا۔"

جب روشنی ہُوئی اور بار گاہ زربفتی نہ آئی تو امیر حمزہ نے تختی کو دیکھا۔ اُس میں لِکھا تھا کہ تالاب کے داہنی طرف جا لیکن قدم بُہت آہستہ آہستہ رکھنا۔ ایک شخص جِس کا رنگ چاندی کی مانند سفید ہے، ایک بگل مُنہ سے لگائے بیٹھا کِتاب پڑھ رہا ہو گا۔ چُپکے سے جا کر کِتاب اُٹھا لینا۔ وُہ اندھا ہو جائے گا۔ تُو اسے فوراً قتل کر دینا۔ اگر سامنے سے جائے گا تو وُہ بگل بجا دے گا۔ جِس سے تمام بیابان میں آگ لگ جائے گی اور اُس وقت یہ تختی بھی کام نہ دے گی۔

امیر نے جا کر دیکھا تو ہُو بہُو وہی نقشہ پایا جو تختی میں بتایا گیا تھا۔ چُپکے سے جا کہ وُہ کِتاب اُٹھا لی۔ وُہ شخص ہاتھ بڑھا بڑھا کر ہر طرف ٹٹولنے لگا۔ امیر حمزہ نے تلوار کا ہاتھ مارا۔ اُسی وقت بھُٹا سی گردن اُڑ گئی۔ آواز آئی:

"میرا نام ہلاہل جادُو تھا۔ آج پندرہ ہزار برس بعد مارا گیا۔"

تھوڑی دیر بعد روشنی ہُوئی اور بار گاہ آئی۔ امیر اس میں تشریف لے گئے۔

تختی کو دیکھا، لکھا تھا:

"اے حمزہ، جو مرحلے اِس طلِسم میں تھے، سب تُو نے فتح کیے۔ اب تو باغِ کرامت میں جا اور راستے میں سے ملک زادہ بن مرتاد شاہ کو بھی لے لے۔"

امیر نے ایسا ہی کیا اور سب کو لے کر باغِ کرامت میں آ گئے۔

اُدھر اِنتشار شاہ کو پل پل کی خبریں پہنچی رہی تھیں۔ جب شُعلہ وزیر کے ہلاک ہونے کی خبر سُنی تو گریبان چاک کیا اور دیواروں پر سر مارنے لگا۔ تمام بدن پر رعشہ طاری تھا۔ چیخ چیخ کر کہنے لگا:

"ہمارے ملازم سب نمک حرام ہیں۔ اُنہوں نے غفلت کر کے ہمیں اِس حالت کو پہنچایا ہے۔ خیر، اب یا تو ہم اپنی جان دے دیں گے یا امیر حمزہ کو قتل کریں گے۔"

اِتنے میں ایک جاسوس نے آن کر یہ خبر سُنائی کہ شہزادی فتانہ نے قلعے سے نِکل کر باغِ کرامت میں پناہ لی ہے اور امیر حمزہ نے اُس کی حفاظت کا ذمّہ لِیا

ہے۔ اب تو اِنتشار شاہ کے غم اور غُصّے کی اِنتہانہ رہی۔ اُسی وقت اُٹھ کھڑا ہُوا اور کہنے لگا:

"کوئی ہے جو اِس غدّار شہزادی کو پکڑ کر لائے۔ میں اُسے اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ تاکہ میرے دِل کو ٹھنڈ پہنچے۔ معلُوم ہو گیا کہ یہ سارا طلِسم اِسی نے درہم برہم کرایا ہے۔"

ایک جادُوگر نے آکر اِنتشار کے تخت کو بوسہ دیا اور کہنے لگا۔ "حضُور اِطمینان رکھیں۔ میں شہزادی کو گرفتار کرکے لاتا ہُوں۔"

طلِسم فتح ہو گیا

امیر حمزہ کو تو باغِ کرامت میں آرام کرنے دیجئے اور اب ذرا اُن کے ساتھیوں کی خبر لیجئے۔ امیر حمزہ یہ وعدہ کر گئے تھے کہ چالیسویں روز واپس آ جاؤں گا لیکن جب اِکتالیسواں دِن بھی گُزر گیا اور امیر حمزہ کی صُورت نظر نہ آئی تو سب پریشان ہُوئے۔ آخر عَلَم شاہ نے قباد سے کہا:

”اے شہریار، میں اُمّید وار ہُوں کہ رُخصت مِلے تو جا کر امیر کی خبر لاؤں۔“

قباد نے رُخصت کا خلعت عطا کِیا اور عَلَم شاہ اُسی راہ پر چلا جِدھر پہلے بھی بُہت سے لوگ طلِسم فتح کرنے کے اِرادے سے گئے تھے مگر لوٹ کر نہ آئے تھے۔ جب عَلَم شاہ چلا گیا تو عُمرو عیّار کے دِل میں خیال آیا کہ میں کبھی امیر

سے جُدا نہیں ہوا۔ افسوس کہ عَلَم شاہ تو امیر حمزہ کی تلاش میں جائے اور میں یہیں بیٹھا مزے اُڑاوں۔ یہ خیال کر کے عُمرو نے بھی قباد سے جانے کی اِجازت طلب کی اور اُسی راہ پر چلا جِس راہ پر عَلَم شاہ گیا تھا۔

اُدھر عَلَم شاہ کو طلِسم میں داخل ہوتے ہی پنجہ اُٹھا کر لے گیا۔ یہ پنجہ دراصل میمون جادُو تھا۔ اُس نے عَلَم شاہ کو اِنتشار کے سامنے حاضر کیا اور کہا:

"جہاں پناہ، یہ امیر حمزہ کا بیٹا عَلَم شاہ ہے۔ طلِسم میں آتے ہوئے گرفتار ہُوا۔"

اِنتشار بے حد خُوش ہُوا اور کہنے لگا۔ "اب حمزہ مجھے کیا ایذا پُہنچا سکتا ہے؟ اگر وُہ مجھے نقصان پہنچانے کا قصد کرے گا تو میں عَلَم شاہ کو قتل کروں گا۔"

یہ کہہ کر حکم دیا کہ عَلَم شاہ کو قید خانے میں لے جاؤ اور دِن رات نگرانی کرو۔

تھوڑی دیر بعد میمون جادُو پھِر آیا اور آداب بجالانے کے بعد بولا۔ "جہاں پناہ، میں عُمرو عیّار کو پکڑ کر لایا ہُوں۔"

اِنتشار شاہ یہ سُن کر خُوشی کے مارے ناچنے لگا۔ میمون جادُو کو بڑی شاباش

دی۔ پھر عُمرو کی طرف دیکھ کر کہنے لگا:

”او عیّار، تیری شکایت جمشید اور سامری جادُوگر اپنی اپنی کتابوں میں لکھ گئے ہیں۔ تُو بڑی بلا ہے۔ اب میں تجھے عذاب میں مُبتلا کر کے ماروں گا۔“ عُمرو نے کُچھ جواب نہ دیا اور عَلَم شاہ کو دیکھنے لگا جو برابر ہی میں کھڑا تھا۔

اِتنے میں اِنتشار شاہ نے منتر پڑھنے شروع کیے۔ یکایک زمین شق ہُوئی اور عَلَم شاہ زمین میں دھنستا چلا گیا۔ پھر زمین ہموار ہو گئی۔ تب اِنتشار نے چیخ کر تین مرتبہ کہا:

”یا جدّاہ، اس سے خبردار رہیے گا اور بُہت اِحتیاط سے رکھیے گا۔ میں نے اِس کے لیے یہی قید خانہ پسند کیا ہے۔“

عُمرو نے جب عَلَم شاہ کو یوں زمین میں غائب ہوتے دیکھا تو کانپنے لگا، اِنتشار شاہ کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ ”اے بادشاہ، معلُوم ہوتا ہے کہ تُو نے میرے بارے میں غلط خبریں سُنی ہیں۔ میں عیّار ویار بالکل نہیں ہُوں، بلکہ

مجھ جیسا بے وقوف تو روئے زمین پر کوئی نہ ہو گا۔ آج سے تیرا تابع دار
ہُوں۔ تُو جو کہے گا وہی کروں گا۔"

اِنتشار یہ سُن کر ہنس پڑا اور بولا: "کیوں مجھے فریب دیتا ہے۔ میں نے تیرے
بارے میں جو کُچھ سُنا ہے وُہ سب سچ ہے۔ خیر یہ باتیں تو بعد میں ہُوں گئ۔
پہلے کوئی گانا سُنا۔ تیرے گانے کی بڑی تعریف سُنی ہے۔"

عُمرو نے روتے ہوئے جواب دیا: "اے بادشاہ، موت میرے سر پر کھڑی
ہے۔ کوئی دم میں قتل ہو جاؤں گا۔ ایسے وقت میں کیا گانا گاؤں؟"

"ابے زیادہ باتیں نہ بنا اور جلد لگانا شروع کر ورنہ یہ خنجر تیرے پیٹ میں
گھونپ دوں گا۔" میمون جادُو نے خنجر دِکھاتے ہوئے کہا۔

اب تو عُمرو کی سِٹّی گُم ہُوئی۔ ڈر کے مارے گانے لگا اور ایسا گایا کہ تمام درباری
اور خُود اِنتشار شاہ جھُومنے لگا۔ تب عُمرو نے کہا:

"حضور، اگر میرا ایک ہاتھ کھُل جاتا تو میں بانسری بھی بجاتا اور نئے نئے راگ

سُناتا۔"

"اِس کا ایک ہاتھ کھول دیا جائے۔" اِنتشار شاہ نے حکم دیا۔

غُلاموں نے اُسی وقت عُمرو کا ایک ہاتھ کھول دیا۔ عُمرو نے زنبیل میں سے بانسری نِکالی اور بجانی شُروع کی۔ تمام محفل جھُوم اُٹھی اور سب نے آنکھیں بند کر لیں۔ عُمرو نے زنبیل میں سے بے ہوشی دُور کرنے کی رُوئی نِکال کر اپنے نتھنوں میں دے لی۔ پھر عطرِ بے ہوشی نِکال کر ایک ہاتھ سے اپنے بدن پر ملا۔ اُس کی خُوشبو جو نہی درباریوں اور اِنتشار شاہ کی ناک میں پہنچی، سب کے سب چھینکیں مار مار کر بے ہوش ہوئے۔ عُمرو نے سب سے پہلے میمون جادُو کے خنجر سے اُسی کی گردن تن سے جُدا کی۔ پھِر اُسترا نِکال کر اِنتشار شاہ کی ڈاڑھی، موچھیں، بھویں اور سر کے بال بھی مونڈ دیے۔ مگر دائیں مُونچھ باقی رہنے دی۔ پھر ایک رقعہ لکھ کر اُس مُونچھ میں باندھا۔ اِس میں لکھا تھا:

"اے اِنتشار شاہ، تُو نے دیکھا کہ ہم پر تیرا جادُو نہیں چلتا۔ فی الحال تیری اِتنی ہی گت بنا کر چھوڑے دیتا ہُوں۔ چاہتا تو میمون جادُو کی طرح تجھے بھی آن کی

آن میں جہنّم رسید کر دیتا۔"

اِس کے بعد عُمرو نے کِسی درباری کا مُنہ کالا اور کِسی کا لال کیا۔ دربار کا سب قیمتی سامان سمیٹ کر زنبیل میں ڈالا اور وہاں سے رفو چکّر ہُوا۔

اب کُچھ حال عَلَم شاہ کا سُنیے۔

عَلَم شاہ جب زمین میں دھنسا تو بے ہوش ہو گیا تھا۔ بُہت دیر بعد آنکھیں کھلیں تو اپنے آپ کو ایک پُر فضا گُلشن میں پایا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سیاہ رنگ کی ایک بُڑھیا، جِس کی عُمر چار سو برس سے کم نہ ہو گی، ایک بارہ دری میں گاؤ تکیے سے لگی بیٹھی ہے۔ بُڑھیا عَلَم شاہ کو دیکھ کر ہنسی اور فوراً ایک منتر پڑھا۔ اُسی وقت لوہے کا ایک پنجرا ہَوا پر اُڑتا ہُوا آیا اور بُڑھیا کے قریب آ کر رُکا۔ بُڑھیا نے عَلَم شاہ کو اُٹھا کر اُس پنجرے میں پھینکا اور ایک غُلام کو طلب کر کے حکم دِیا کہ اِسے قید خانے میں لے جا کر رکھ دے۔ غُلام وُہ پنجرا کندھے پر اُٹھا کر چلا اور ایک عالی شان مکان میں آیا جِس کی چھت پر ویسے ہی بے شمار پنجرے لٹک رہے تھے۔ اُس نے عَلَم شاہ کا پنجرا بھی چھت میں لٹکایا اور چلا گیا۔

عَلَم شاہ کے برابر جو پنجرا لگا ہُوا تھا، اُس میں ایک مردِ ضعیف قید تھا۔ عَلَم شاہ نے اُس سے پوچھا ”بڑے میاں، آپ کون ہیں اور کِس لیے قید کیے گئے ہیں؟“

بُڈھے نے نظر اُٹھا کر عَلَم شاہ کو دیکھا اور کہا۔ ”اے جوان، پہلے تُو اپنی رام کہانی سُنا۔ میں اپنا حال بعد میں کہوں گا۔“

تب عَلَم شاہ نے اپنی تمام حقیقت اور گرفتار ہونے کا ماجرا بیان کیا۔ آخر میں کہا کہ میں امیر حمزہ کا بیٹا ہُوں اور اُنھی کی تلاش میں یہاں آیا تھا۔ یہ قِصّہ سُن کر بُڈھے کی آنکھیں بھر آئیں۔ محبّت کی نظروں سے عَلَم شاہ کو دیکھ کر بولا:

”اے شہزادے، میرا نام شہریار شاہ ہے، اور پہلے میں ہی اِس طلِسم کا بادشاہ تھا۔ اِنتشار شاہ کو میں نے اپنا وزیر بنایا۔ ہمارے خاندان میں سینکڑوں سال سے ایک سیاہ مُہرہ چلا آتا ہے۔ اِس کی خاصیت یہ ہے کہ وُہ جِس کے قبضے میں آجائے، وہی شخص اِس طلِسم پر حکومت کرے۔ وُہ سیاہ فام بُڑھیا، جِس نے آپ کو پنجرے میں بند کر کے یہاں بھیجا ہے۔۔۔ اِنتشار شاہ کی نانی ہے۔

میرے محل میں بُہت عِزّت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ ایک دِن موقع پا کر سیاہ مُہرہ اپس نے چرالیا اور اِنتشار شاہ کے حوالے کیا۔ وُہ اِسی مُہرے کی برکت سے بادشاہ ہو گیا اور میرے تمام رشتے داروں کو قتل کر ڈالا۔ اب مجھے عرصے سے اِس مکّار بُڑھیا نے اِس پنجرے میں قید کر رکھا ہے، میرے علاوہ جتنے اور قیدی ہیں، وُہ بھی کسی نہ کسی جُرم میں قید کیے گئے ہیں۔ اب آپ یہ فرمائیں کہ جب امیر حمزہ اِس طلِسم کو فتح کریں گے تو میری سلطنت مجھ کو واپس مل جائے گی؟"

عَلَم شاہ نے کہا۔ "اگر آپ دینِ ابراہیمی پر ایمان لائیں تو پھر میں اقرار کروں گا۔"

شہریار شاہ ایمان لایا تب عَلَم شاہ نے اُس سے پُوچھا۔ "آپ کو کُچھ معلُوم ہے کہ وُہ سیاہ مُہرہ اب کہاں ہو گیا؟"

"میرا خیال ہے وُہ مُہرہ ابھی تک اِسی بُڑھیا کے پاس ہو گا یا اِنتشار شاہ نے کہیں چھپایا ہو گا۔"

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک خوب صُورت لڑکی وہاں آئی۔ اُس کا نام زلالہ جادُو تھا اور یہ اِنتشار شاہ کی بھتیجی تھی۔ اُس نے جب عَلَم شاہ کو پنجرے میں دیکھا تو قریب آئی اور کہنے لگی: "اے نوجوان، مجھے تجھ پر رحم آتا ہے۔ اگر تُو مجھ سے شادی کا وعدہ کرے تو تجھے ابھی رہا کرا دوں۔"

عَلَم شاہ نے ہنس کر جواب دیا۔ "وعدہ تو نہیں کرتا مگر مجھے تیری بات پر اُس وقت یقین آئے گا جب وُہ سیاہ مُہرہ مجھے لا کر دے گی۔"

زلالہ جادُو نے عَلَم شاہ کی یہ بات سُنی تو سوچ میں پڑ گئی پھر مُسکرا کر بولی۔ "مُہرہ لانا تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ ابھی تمہاری یہ خواہش پوری کرتی ہُوں۔"

یہ کہہ کر وُہ بڑھیا کے پاس آئی۔ وُہ اس وقت پلنگ پر پڑی خرّاٹے لے رہی تھی۔ زلالہ نے خنجر نِکال کر بڑھیا کی گردن تن سے جُدا کی اور تکیے کے نیچے سے سیاہ مُہرہ نِکال کر عَلَم شاہ کے پاس لائی۔ عَلَم شاہ نے مُہرہ ہاتھ میں لیتے ہی اُسے پنجرے سے لگایا۔ ایک ایک کر کے تمام سلاخیں ٹُوٹ گئیں اور عَلَم شاہ

آزاد ہو گیا۔ پھر اُس نے شہریار شاہ اور دوسرے قیدیوں کو بھی آزاد کرایا۔

اُدھر اِنتشار شاہ ہوش میں آیا اور اپنے آپ کو زمین پر پڑا دیکھ کر حیران ہُوا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اِتنے میں ایک ایک کر کے سب درباری بھی ہوش میں آئے۔ کِسی نے کہا:

"جہاں پناہ، ذرا آئینے میں اپنی صُورت تو ملاحظہ فرمایئے۔"

اِنتشار شاہ نے سر ہلایا۔ چھن چھن کی سی آواز آئی۔ گھبرا کے آئینہ طلب کیا۔ صُورت دیکھی تو بُہت ہنسا۔ سر، ڈاڑھی، بھویں اور ایک مُونچھ صفا چٹ، چہرے پر سیاہی تھوپی ہُوئی۔ ایک مُونچھ میں چند گھنگھرو اور ایک پرچہ بندھا ہُوا۔ اِنتشار شاہ نے پرچہ کھُول کر پڑھا اور مارے غُصّے کے تھر تھر کانپنے لگا۔ جادُوگروں کو حکم دیا کہ عُمرو عیّار کو پکڑ کر لاؤ۔ جادُوگر عُمرو کی تلاش میں چلے۔ لیکن عُمرو بھلا اُن کے ہتھّے کیسے چڑھتا۔ وُہ تو میلوں دُور نِکل گیا تھا۔ آگے چل کر اُسے ایک عالی شان باغ نظر آیا جِس کے اندر بار گاہِ زر بفتی میں مسندِ جواہر نِگار پر امیر حمزہ بیٹھے تھے۔ عُمرو اُنہیں دیکھ کر بے حد خُوش ہوا مگر

فوراً ہی سامنے جانا مُناسب نہ سمجھا اور ایک کنیز کی صُورت بنا کر بار گاہ میں داخل ہُوا۔ اِتنے میں ایک دیو نے آن کر سلام کیا اور امیر حمزہ سے کہا:

"حضور، ہمیں خبر مِلی ہے کہ آپ کے بیٹے عَلَم شاہ طلِسم میں داخل ہوئے تھے، اِنتشار شاہ نے اُنہیں گرفتار کر کے زمین کے ساتویں طبقے میں قید کیا ہے۔ اِس کے بعد عُمرو عیّار گیا۔ وُہ بھی پکڑا گیا، مگر اپنی عیّاری سے اِنتشار شاہ اور اُس کے جادُو گروں کو بے ہوش کر کے نِکل گیا۔"

امیر حمزہ یہ خبر سُنتے ہی بے تاب ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔ "مجھ پر اب آرام اور چین حرام ہے۔ عَلَم شاہ کو جب تک آزاد نہ کرا لوں گا، کھانا نہ کھاؤں گا۔"

اُن کی یہ بات شہزادی فتانہ نے بھی سُن لی۔ کہنے لگی۔ "بہتر ہے کہ پہلے تختی سے مشورہ کر لیجیے، پھر کہیں جانے کا اِرادہ کیجیے۔"

امیر حمزہ نے تختی نکال کر دیکھی۔ اُس پر لِکھا تھا:

”اے حمزہ، گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے عَلَم شام اور خواہ عُمرو دونوں خیریت سے ہیں۔ عنقریب تُم سے ملاقات ہُو گی۔“

یہ حال معلُوم کر کے امیر حمزہ کو اِطمینان ہُوا۔ تمام پریشانی کافور ہُوئی۔ خوشی خوشی اپنے تخت پر جا بیٹھے۔ اِتنے میں عُمرو عیّار نے سبز کمبل اُوڑھ کر آواز دی:

”او عرب، تیری مروّت اور دوستی دیکھی۔“

امیر حمزہ نے آواز پہچان لی اور ہنس کر کہا۔ ”اے خواجہ، اگر یہاں آئے ہو تو چھُپے کیوں کھڑے ہو۔ ذرا سامنے آؤ۔ صُورت دِکھاؤ۔“

تب عُمرو عیّار ایک بن مانس کی شکل بنا کر سامنے آیا۔ شہزادی فتانہ بن مانس کو دیکھ کر ڈر کے مارے چیخنے لگی۔ تمام خواصیں اور کنیزیں بھاگ گئیں۔ شہزادی کہنے لگی:

”یا امیر، اِنتشار شاہ نے شاید آپ کو ہلاک کرنے کے لیے یہ بن مانس بھیجا

ہے۔ مجھے اِس کی صُورت سے خوف آتا ہے۔"

امیر حمزہ نے کہا"شہزادی، ڈرو نہیں۔ یہ آدمی ہے اور ہمارا دوست ہے۔"

عُمرو نے مُنہ بنا کر کہا:"آپ کی عنایت ہے جو مجھے آدمی سمجھتے ہیں مگر آج آپ کی دوستی کی حقیقت کھُل گئی۔ بیٹے کی گرفتاری کا حال سُن کر بے تابانہ دوڑے اور ہماری خبر بھی نہ لی۔"

امیر حمزہ نے مُسکرا کر جواب دیا۔ "اے خواجہ، زیادہ بدگمانی ٹھیک نہیں ہوتی۔ ہم نے تمہاری رہائی کی خبر بھی تو سُن لی تھی۔"

اِتنے میں ایک پری زاد نے اِطّلاع دی کہ ایک عظیم لشکر آتا ہے جِس میں ایک لاکھ جادُوگر ہیں۔ شاید اِنتشار شاہ نے حملہ کیا ہے۔ یہ سنتے ہی عُمرو عیّار بارگاہ سے نِکلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ واقعی جادُوگروں کا لشکر چلا آتا ہے۔ آگے آگے عَلَم شاہ گھوڑے پر سوار ہیں اور پیچھے ایک مردِ ضعیف شیر پر بیٹھا آرہا ہے۔ باقی جادُوگر اونٹوں اور گدھوں پر سوار ہیں اور اُن کے مُنہ سے آگ

کے شعلے نکلتے ہیں۔

عُمرو نے جلدی سے امیر حمزہ کو خبر دی کی عَلَم شاہ آتا ہے۔ امیر حمزہ دوڑے ہُوئے آئے۔ عَلَم شاہ نے جونہی امیر حمزہ کو دیکھا، جھَٹ گھوڑے سے اُترا اور قدموں پر ِگرا۔ امیر حمزہ نے اُسے سینے سے لگایا اِتنے میں شہریار شاہ نے آن کر سلام کیا۔ امیر حمزہ نے اُس سے مصافحہ کیا اور عِزّت سے بار گاہ میں لے گئے۔ عَلَم شاہ نے تعارف کرایا اور سارا حال کہا کہ یہی اِس طلِسم کا اصل مالِک ہے۔ اِنتشار اِس کا مُلازم تھا۔ اُس نے نمک حرامی کی اور خُود بادشاہ بن بیٹھا۔ امیر حمزہ نے کہا:

"اے شہریار، تُم تسلّی رکھو۔ خُدا نے چاہا تو میں بُہت جلد اِس شیطان کو سزا دیتا ہُوں اور تمہارا تخت تمہارے حوالے کرتا ہُوں۔"

اگلے روز امیر حمزہ نے تختی پر نِگاہ ڈالی۔ لکھا تھا:

"اے حمزہ، اِنتشار شاہ کی فکر نہ کرو۔ اُسے زلالہ جادُو نے ہلاک کر دیا ہے۔

چند روز میں وُہ خُود تمہارے پاس آئے گی۔ اور اِطاعت قبُول کرے گی۔ تب تُم شہریار شاہ کو اُس کی سلطنت سونپ دینا۔ اب طلِسم کو باقی رہنے دو۔ تمہارا فرزند اِسے فتح کرے گا۔ تُم اپنی مُراد کو پُہنچ گئے۔ اب تُم چلے جاؤ۔ راہ کھُل گئی ہے۔"

امیر حمزہ نے یہ بات سب کو سُنائی۔ تیسرے ہی دِن زلالہ جادُو وہاں آئی اور دینِ اِبراہیمی میں داخل ہو گئی۔ امیر حمزہ نے اُس کی شادی مرتاد شاہ کے بیٹے سے کر دی۔ پھِر شہریار شاہ کی رسمِ تاج پوشی ادا کی۔ شہزادی ماہِ سیما اور شہزادی فتانہ سے رُخصت لی اور اپنے لشکر کی جانب کُوچ کیا۔

خُداوند ثمرات

فرنگستان پر اپنا پرچم لہرانے کے بعد امیر حمزہ نے بُہت دِن تک آرام کیا اور جشن مناتے رہے۔ ایک روز وُہ بارگاہ میں تشریف رکھتے تھے کہ اِطّلاع مِلی کہ قاصِد آیا ہے۔ امیر حمزہ نے قاصِد کو طلب کیا۔ اُس نے ایک خط پیش کیا۔ یہ خط حلب کے حاکم جبّار کی طرف سے آیا تھا اور اس میں لِکھا تھا:

"امیر حمزہ کی خِدمت میں سلام کے بعد عرض ہے کہ ہم ایک بھیانک مُصیبت سے دوچار ہیں۔ ہیکلان عاد مغربی نے اپنے ایک پہلوان ظاہر شاہ کو عظیم لشکر کے ساتھ بھیجا ہے اور کہلوایا ہے کہ یا تو خُداوند ثمرات کو سجدہ کرو اور یا ہم سے جنگ کرو۔ ہم میں اُس سے لڑنے کی قُوّت نہیں ہے، اِس لِیے کِسی بہادُر کو بھیجیے کہ وُہ آن کر ہماری جان اور اِیمان بچایئے۔"

امیر حمزہ نے سب دوستوں اور پہلوانوں کو یہ مضمون سُنانے کے بعد اِعلان کیا کہ کون ایسا بہادُر ہے جو حلب جائے اور ظاہر شاہ کو شکست دے۔ عَلَم شاہ فوراً اُٹھا اور دو لاکھ فوج ہمراہ لے کر روانہ ہو گیا۔

اگلے روز امیر حمزہ نے پھر کہا کہ کوئی اور بہادُر ہے جو حلب جائے یہ سُنتے ہی سُلطان سعد اُٹھا اور دو لاکھ سپاہی لے کر حلب روانہ ہو گیا۔ تیسرے روز امیر حمزہ نے پھر یہی کہا۔ اِس مرتبہ لِندھور اُٹھا اور دو لاکھ بہادر سپاہی ساتھ لے کر چلا۔

اُدھر ہیکلان نے ظاہر شاہ کو ہدایت کی تھی کہ جاتے ہی قلعے کا محاصرہ کر لینا اور حلب کے شہر اور قلعے میں سے کِسی آدمی کو بچ کر نکلنے کا موقع یہ دینا۔ ظاہر شاہ نے ایسا ہی کیا۔ وُہ آندھی طوفان کی طرح آیا اور قلعے کو گھیر لیا۔ آنے جانے کے تمام راستوں پر اپنے سپاہی بٹھا دِیے۔ پھِر دروازے پر آن کر آواز دی کہ اے قلعے والو، تُم میں سے کوئی جی دار ہے تو باہر نِکل کر مجھ سے مُقابلہ کرے۔ مگر کِسی نے جواب نہ دیا۔ قلعے کا حاکم جبّار مدد کا اِنتظار کر رہا تھا۔

اگلے روز ظاہر شاہ نے اپنے ایک ایلچی کو قلعے کے اندر جبّار کے پاس بھیجا اور کہا کہ اے احمق، کیوں جان دینے پر آمادہ ہے۔ مجھ سے لڑنا موت کے فرشتے سے پنجہ لڑانا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ خُداوند ثمرات کو سجدہ کر اور قلعہ میرے حوالے کر دے۔ ورنہ سب کو گِن گِن کر ماروں گا۔ ایلچی نے یہ پیغام جبّار کو پہنچایا۔ اُس نے کہا:

"میں خُداوند ثمرات پر ہزار بار لعنت بھیجتا ہُوں۔ ظاہر شاہ سے کہہ دو کہ میں خدائے واحد کی پرستش کرنے والا ہُوں اور اِس راہ میں اگر جان بھی چلی جائے تو کُچھ پروا نہیں ہے۔"

ایلچی نے واپس آ کر یہ جواب ظاہر شاہ کو سُنایا۔ وُہ آگ بگولا ہو گیا اور قلعے پر حملہ کر دیا۔ پھِر خُود بھی بتّیس من وزنی گُرز اُٹھا کر قلعے کے دروازے پر آیا اور اُسے توڑنے کی کوشِش کرنے لگا۔ تمام شہر میں رونا پیٹنا مچ گیا اور حلب کے لوگ رو رو کر خُدا سے مدد کی دُعائیں مانگنے لگے۔

خُود جبّار بھی سجدے میں گِرا ہُوا تھا۔ اچانک بیابان کی جانب سے گرد اُٹھی اور

جب گرد کا دامن چاک ہُوا تو دیکھا کہ ایک بُہت بڑا لشکر قلعے کی طرف تیزی سے آرہا ہے۔ جب یہ فوج قریب آئی تو جبّار نے پہچانا کہ امیر حمزہ کا لشکر ہے۔ آگے آگے عَلَم شاہ سفید گھوڑے پر سوار بڑی شان سے چلے آتے ہیں۔ اب تو جبّار کی خُوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ اُس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ نقّارے بجاؤ۔

جب قلعے میں نقّارے بجے تو ظاہر شاہ نے حیران ہو کر کہا: "معلُوم ہوتا ہے جبّار کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ خواہ مخواہ نقّارے بجا رہا ہے۔"

اِتنے میں کِسی نے آن کر خبر دی کہ غضب ہو گیا۔ عَلَم شاہ ایک عظیم فوج لے کر مُقابلے پر آ گیا ہے۔ یہ سُنتے ہی ظاہر شاہ کے پیروں تلے کی زمین نِکل گئی۔ جھٹ میدان میں آیا اور عَلَم شاہ کو دیکھ کر کہنے لگا:

"اے رُستم، میں نے تیری بڑی تعریف سُنی ہے۔ مگر یہ تو بتا کِس اِرادے سے آیا ہے؟"

عَلَم شاہ نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔ "تُو اِس قلعے پر قبضہ کرنے کے اِرادے سے

آیا ہے اور میں تجھے موت کے گھاٹ اُتارنے کے اِرادے سے آیا ہُوں۔"

یہ سُن کر ظاہر شاہ کی کھوپڑی گرم ہُوئی۔ آگے بڑھ کر فولادی گُرز گھُمایا اور عَلَم شاہ پر دے مارا۔ اُس نے ڈھال پر روکا۔ ایک ہولناک دھماکا ہُوا۔ عَلَم شاہ کے گھوڑے کی کمر ٹوٹ گئ اور وُہ مُنہ کے بل زمین پر گِرا۔ یہ دیکھ کر ظاہر شاہ کے لشکر نے آفرین کے نعروں سے آسمان سر پر اُٹھالیا۔

عَلَم شاہ جلدی سے اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ "اے پہلوان، میں تیری قُوّت اور ہمّت کی داد دیتا ہُوں، مگر اب میرے وار سے بچ۔"

یہ کہہ کر عَلَم شاہ نے تلوار کھینچی اور ظاہر شاہ پر حملہ کِیا۔ ظاہر شاہ نے گُرز پھینک کر ڈھال آگے بڑھائی عَلَم شاہ کی تلوار ڈھال کر کاٹتی ہُوئی ظاہر شاہ کی پیشانی پر لگی اور تین اُنگل تک اُتر گئی۔ خُون کی چادر ظاہر شاہ کے ماتھے اور چہرے پر آئی۔ اُس نے رُومال سے چہرے کا خُون صاف کر کے پھر تلوار سے وار کیا۔ ہاتھ اوچھا پڑا۔ مگر عَلَم شاہ کا سر بھی زخمی ہو گیا۔ اِتنے میں ظاہر شاہ کی فوج نے ہلّہ بول دیا اور عَلَم شاہ کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔ عَلَم شاہ کی

فوج بھی غافل نہ تھی۔ وُہ بھی دُشمن کے مُقابلے میں آگئی اور تلوار چلنے لگی۔

اُدھر قلعے میں سے جبّار اور اُس کا دوست پیر فرخاری بھی اپنی اپنی فوج لے کر نِکلے اور ظاہر شاہ پر دھاوا بول دیا۔ کہتے ہیں تِین پہر تک تلوار چلی کُشتوں کے پُشتے لگ گئے اور جابجا لاشوں اور زخمیوں کے انبار نظر آنے لگے۔ ظاہر شاہ کی فوج پسپا ہونے کو تھی کہ وُہ واپسی کا طبل بجوا کر اپنے خیمے میں چلا گیا۔ اُدھر عَلَم شاہ بھی قلعے میں آئے۔ زخم میں ٹانکے لگوائے، زخمیوں کی مرہم پٹّی کروائی۔

دو پہر رات گُزری تھی کہ سُلطان سعد کی فوج آگئی اور آتے ہی ظاہر شاہ کی فوج پر ٹُوٹ پڑی۔ یہ خبر جبّار کو بھی پہنچی۔ وُہ بھی اپنی فوج لے کر نِکلا۔ پیر فرخاری نے بھی تلوار کھینچی۔ عَلَم شاہ زخموں کی تکلیف کے باعث بے ہوش پڑا تھا، اُسے خبر بھی نہ ہُوئی کہ جنگ دوبارہ شروع ہو چُکی ہے۔ غرض دو دِن اور دو راتیں مُسلسل تلوار چلتی رہی، حتیٰ کہ سُلطان سعد اور پیر فرخاری گرفتار ہو کر ظاہر شاہ کے قبضے میں چلے گئے۔ جبّار واپس قلعے میں آیا اور دروازے بند کر لِیے۔

اگلے روز عَلَم شاہ ہوش میں آیا۔ سعد کے قید ہونے کی خبر سُنی۔ نہایت رنج ہُوا اور اِرادہ کیا کہ ابھی جاؤں اور سعد کو چھڑُا کر لاؤں لیکن جبّار نے قدموں پر سر رکھ کر روکا اور کہنے لگا کہ اے رُستم آپ کا حال بُہت خراب ہے۔ خُون بڑی مقدار میں ضائع ہُوا ہے۔ آپ پر کمزوری غالب ہے۔۔۔ ایسا کیجیے کہ سب حال امیر حمزہ کی خِدمت میں لکھ بھیجیے وہاں سے جو ہدایت مِلے، اُس پر عمل کیجیے۔ عَلَم شاہ نے یہ تجویز پسند کی اور ایک خط اُسی وقت لکھ کر امیر حمزہ کے پاس بھیجا۔

اِدھر ظاہر شاہ کو جب معلُوم ہُوا کہ سُلطان سعد اور پیر فرخاری گرفتار ہوئے ہیں تو بے حد خُوش ہُوا۔ سب سے پہلے سعد کو اپنے سامنے طلب کِیا اور کہنے لگا:

”اے جوان، ہم تیری بہادُری اور شجاعت کے قائل ہیں۔ اگر تُو خُداوند ثمرات کو سجدہ کرے تو ابھی رہا کر دُوں اور اِنعام سے مالامال کر دُوں۔“

سعد کا چہرہ غُصّے سے تمتمانے لگا۔ گرج کر جواب دیا۔ ”او کافر، تُو میرا ایمان

خریدنا چاہتا ہے۔ میں تجھ پر اور تیرے خُداوند ثمرات پر لاکھ لاکھ لعنت بھیجتا ہُوں۔"

یہ سُن کر ظاہر شاہ بہُت بھنّایا اور حکم دِیا کہ سعد پیر فرخاری اور اُن کے ساتھ جتنے آدمی گرفتار ہُوئے ہیں، سب کو ابھی قتل کرو۔ یہ سب لوگ قتل گاہ میں لے جائے گئے اور جلّاد کندھے پر بارہ من وزنی کلہاڑا رکھ کر آیا۔ اِتنے میں ظاہر شاہ کے دو نائب سپہ سالاروں ہلال عاد اور انصار عاد نے کہا:

"ہمارے خیال میں سعد اور پیر فرخاری کے قتل کی ذمّہ داری آپ اپنے سر نہ لیں بلکہ اِنہیں ہیکلان کے پاس بھجوا دیجیے۔ وُہ جو چاہے سلوک کرے۔" یہ بات ظاہر شاہ کو پسند آئی۔ اُس نے اُسی وقت قیدیوں کو تین سو سواروں کی حفاظت میں دے کر ہیکلان کے پاس روانہ کِیا۔

آپ کو یاد ہو گا کہ ایک مُہم میں عادی پہلوان نے معرُوف شاہ کی بیٹی عادیہ بانو

سے شادی کی تھی۔ اِس شادی کے بعد عادیہ بانو کے ایک لڑکا پیدا ہُوا۔ معرُوف شاہ نے اس کا نام کرب غازی رکھا۔ ماں اور نانا اِس لڑکے سے بُہت محبّت کرتے تھے۔ اس کی پرورش اور دیکھ بھال کے لِیے سینکڑوں نوکرانیاں اور غُلام ہر وقت حاضر رہتے۔ بچپن ہی سے کرب غازی نہایت سر پھِرا اور شہ زور لڑکا تھا۔ اپنے سے دوگنی قُوّت اور عُمر کے لڑکوں کو اُٹھا کر پٹخنی دینا اُس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ بات بات پر لونڈی غُلاموں کی مرمّت کر دیتا۔ ہر وقت کُچھ نہ کُچھ کھاتے اور ٹھونگتے رہنا اُس کی عادت تھی۔ جب بارہ برس کا ہُوا تو اپنے نانا معرُوف شاہ کے دربار میں آن کر بیٹھنے لگا۔ اب اُس کی طاقت کا یہ عالم تھا کہ گھوڑے کو گھُونسا مار کر مار ڈالا اور لوہے کے بڑے بڑے گولے ہاتھ میں لے کر توڑ مروڑ دیتا۔ اُس کی دِیوانگی کے باعث ہر شخص خوف کھاتا تھا اور کِسی کی ہِمّت نہ تھی کہ اُس کی بات کو ٹال دے۔

ایک دِن وُہ اپنی ماں اور نانا سے کہنے لگا کہ ہم کو رُخصت کرو۔ اب ہم امیر حمزہ کے پاس جائیں گئے اور اپنے باپ عادی پہلوان کو دیکھیں گے۔ یہ سُن کر ماں

اور نانا پریشان ہُوئے۔ کُچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کرب غازی کو کیسے روکیں۔ آخر عادیہ بانو نے پیار سے کہا:

"بیٹا، ابھی تُم امیر حمزہ کے پاس جانے کے قابل نہیں ہوئے ہو۔ تمہاری عمر تھوڑی ہے۔ جب کُچھ اور بڑے ہو جاؤ گے۔ تب میں خُود تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گی۔"

کرب غازی چُپ ہو رہا۔ ایک دِن اپنے نانا کے دربار میں بیٹھا تھا کہ سامنے سے کوئی سوداگر روتا پیٹتا آیا۔ معرُوف شاہ نے پُوچھا۔ "اے سوداگر، تجھ پر کیا بیتی جو یُوں چیختا چلّاتا ہے۔ جلد بیان کر۔" سوداگر نے کہا۔ "جہاں پناہ، یہاں سے چار منزل دُور میرا قافلہ اُترا تھا کہ رات گئے کوئی ڈاکو، جِس کو لوگ فتّاح کہتے ہیں، قافلے پر آن گِرا اور سب کُچھ لُوٹ کر لے گیا۔ میں اُسی کی فریاد لے کر آیا ہُوں۔"

یہ سُن کر معرُوف شاہ نے گردن جھکا لی۔ پھِر کہنے لگا۔ "اے سوداگر، اِس معاملے میں تیری مدد کرنے سے ہم مجبُور ہیں۔ فتّاح کے پاس چالیس ہزار

ہتھیار بند ڈاکوؤں کا لشکر ہے اور اُس سے لڑنا مُحال ہے۔ میں کُچھ نہیں کر سکتا۔"

یہ کورا جواب سُن کے سوداگر زار زار رونے لگا۔ کرب غازی سے اُس کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ معرُوف شاہ سے کہنے لگا۔ "نانا جان آپ اِس مُلک کے بادشاہ ہیں، اپنی رعیّت کی دیکھ بھال اور اس کے جان و مال کی حفاظت آپ کا فرض ہے۔ آپ نے اِس سوداگر کو بُہت مایوس کیا ہے۔"

کرب غازی کی اِس بات پر معرُوف شاہ کو غُصّہ آیا جھلّا کر کہنے لگا۔ "میں اِس معاملے میں کُچھ نہیں کر سکتا ہاں، تُم سے کُچھ ہو سکتا ہے تو ضُرور کرو۔"

"بُہت بہتر۔ اب مجھے ہی ہاتھ پیر ہلانے پڑیں گے۔" کرب غازی نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر کہا۔ پھِر سوداگر کا ہاتھ پکڑ کر دربار سے باہر آیا اور کہنے لگا:

"چل، مجھے بتا کہ کِس جگہ پر ڈاکو نے تیرے قافلے کو لُوٹا ہے۔ ہم تیرا سب مال اُس سے واپس دلائیں گے۔"

سوداگر نے اُوپر سے نیچے تک کرب غازی کو دیکھا۔ اور نادان بچّہ سمجھ کر بولا۔ ”میاں صاحب زادے، یہ دھندا آپ کے بس کا نہیں ہے۔ جایئے، اپنی امّاں کے کلیجے سے لگ کر بیٹھیے۔ اس ڈاکو کا نام سُن کر بڑے بڑے جی دار تھرّاتے ہیں۔ آپ کی بھلا کیا حیثیت ہے۔“

کرب غازی کا چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا۔ اس نے سوداگر کی گردن اِتنی زور سے دبائی کہ اس کی زبان باہر نِکل آئی۔ ”تُو مجھے بچّہ سمجھتا ہے۔ تیرے جیسوں کی تو ایک ہی ہاتھ میں ہڈّیاں پسلیاں توڑ دُوں۔ دیکھ، سچ کہتا ہُوں اگر تُو مجھے اس جگہ نہ لے گیا تو ابھی جان سے مار ڈالوں گا۔“

سوداگر کی چیخ و پُکار سُن کر کرب غازی کے دونوں ماموں ہام پہلوان اور سام پہلوان محل میں سے نِکل آئے۔ دیکھا کہ بھانجے نے ایک شخص کی گُدّی ناپ رکھی ہے اور مار ڈالنے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ اُنہوں نے سوداگر کو چھُڑایا اور پُوچھا کہ ماجرا کیا ہے، تب سوداگر نے سارا قِصّہ سُنایا۔ ہام اور سام کرب غازی کو سمجھانے لگے کہ بیٹا، اِس خیال سے باز آؤ۔ اپنی عُمر دیکھو۔ فتّاح

سے مُقابلہ کرنا تمہارا کام نہیں ہے۔

کرب غازی نے لال پیلی آنکھوں سے ہام اور سام کی جانب دیکھا اور کہنے لگا: ”ماموں جان، آپ مہربانی فرما کر اِس مسئلے میں نہ بولیے۔ اِطمینان سے محل میں بیٹھے۔ میں فتّاح سے دو دو ہاتھ کیے بغیر نہ مانوں گا۔“

یہ کہہ کر گھوڑے پر سوار ہُوا۔ سوداگر کو بھی اپنے پیچھے بٹھایا اور چل دِیا۔

ہام اور سام نے عادیہ بانو کو خبر کی۔ وُہ بے چاری رونے پیٹنے لگی اور اپنے باپ معرُوف شاہ سے کہلا بھیجا کہ جِس طرح ہو سکے، میرے بیٹے کو واپس بُلاؤ۔ نہیں تو میں خُود اُس کے پیچھے جاؤں گی۔ معرُوف شاہ کے وہم و گماں میں بھی نہ تھا کہ کرب غازی چلا جائے گا۔ اِس خبر سے وُہ بے حد گھبر ایا۔ فوراً ہام اور سام کو دس ہزار جوانوں کا لشکر دے کر کرب غازی کے پیچھے جانے کا حکم دیا۔ اُنہوں نے آدھی رات کے وقت ایک صحرا میں کرب غازی کو جالِیا اور بڑی دیر تک سمجھاتے رہے کہ اِس اِرادے سے باز آجائے۔ آخر کرب نے عاجز آن کر اُن کی بات مان لی اور کہا کہ اب مجھے سونے دیجیے۔ باقی باتیں صُبح ہُوں

گی۔

یہ سُن کر ہام اور سام بے حد خُوش ہوئے اور اپنے اپنے خیموں میں جا کر سو گئے۔ تھوڑی دیر بعد کرب غازی سب کو غافِل پا کر اُٹھا، سوداگر کو بھی خنجر دِکھا کر اپنے ساتھ چلنے پر مجبُور کیا اور گھوڑے پر بیٹھ کر روانہ ہُوا۔

وُہ سُورج نکلنے سے بھی پہلے ایک پہاڑ کے قریب پُہنچا جِس کی چوٹی پر ایک عظیم الشّان قلعہ بنا ہوا تھا۔ سوداگر نے بتایا کہ یہی وُہ قلعہ ہے جِس میں ڈاکو اپنے لشکر کے ساتھ رہتا ہے۔ کرب نے سوداگر کو ایک درخت کے نیچے ٹھہرنے کی ہدایت کی اور خُود گھوڑا دوڑاتا ہُوا پہاڑ کی طرف گیا۔

اُدھر قلعے کی فصیل پر سے پہرے داروں نے دیکھا کہ ایک نو عُمر لڑکا گھوڑے پر بیٹھا چلا آتا ہے۔ اُنہوں نے فتّاح کو خبر کی۔ وُہ کہنے لگا:

"چار سپاہی جائیں اور اِس لڑکے کا گھوڑا چھین کر لے آئیں۔"

قلعے کا دروازہ کھُلا۔ چار سپاہی باہر نِکل کر کرب غازی کے پاس گئے اور کہنے

لگے۔ ”اے لڑکے، تجھے یہاں آتے ہُوئے خوف نہ آیا؟ ہمارے سردار کو تجھ پر رحم آیا۔ اِس لیے تیری جان بخشی کی جاتی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اپنا گھوڑا ہمارے حوالے کر دے اور یہاں سے نو دو گیارہ ہو جا۔“

کرب غازی نے ہنس کر کہا۔ ”گھوڑا دینے کے لیے میں بالکل تیّار ہُوں مگر شرط یہ ہے کہ تمہارا سردار خُود آ کر مجھ سے درخواست کرے۔“

سپاہیوں نے یہ عجیب بات سُنی تو حیران ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھِر اِن میں سے ایک نے کہا۔ ”تُو پاگل ہُوا ہے جو ایسی بات مُنہ سے نِکالتا ہے۔ ہمارے سردار کا نام سُن کر تو بڑے بڑے پہلوان تھر تھر کانپتے ہیں۔ تیری کیا حیثیت ہے۔ وُہ بھلا گھوڑے کے لیے تجھ سے درخواست کرنے یہاں آئیں گے؟“

”نہیں آتے تو نہ آئیں۔ یہ گھوڑا میں تمہیں نہ دوں گا۔“ کرب غازی نے کہا۔

”معلُوم ہوتا ہے یہ یُوں نہ مانے گا۔“ ایک سپاہی نے کہا۔ ”میں اِسے ابھی

گھوڑے سے اُتار کر زمین پر پٹخنی کھِلاتا ہُوں۔ پھر کُچھ ہوش آئے گا۔"

یہ کہہ کر سپاہی آگے بڑھا اور کرب غازی کا ہاتھ پکڑنا چاہا۔ مگر اُس نے اِس زور کا گھونسا مارا کہ بے چارہ سپاہی چرخی کی طرح گھُوم کر دھم سے زمین پر گِرا اور گِرتے ہی مر گیا۔ یہ دیکھ کر باقی سپاہیوں کی ڈر کے مارے گھگھّی بندھ گئی۔ تب کرب نے نعرہ مار کر کہا:

"آؤ بُزدِلو۔ اگر ہمّت ہے تو مجھ سے گھوڑا چھین لو۔"

یہ سُن کر دوسرا سپاہی جوش میں آیا اور نیزہ تان کر حملہ کرنے کے اِرادے سے لپکا لیکن کرب غازی نے وہی نیزہ چھین کر اُس کی گردن پر مارا۔ وُہ بھی تڑپ کر نیچے گِرا اور دم توڑ دیا۔ باقی دونوں سپاہی سر پر پیر رکھ کر بھاگے اور فتّاح کو خبر کی کہ وُہ لڑکا تو کوئی بڑی بلا ہے، دیکھتے دیکھتے اُس نے ہمارے دو آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

یہ سُن کر فتّاح حیران بھی ہُوا اور اُسے غُصّہ بھی آیا۔ سپاہیوں سے کہنے لگا۔

”تُم بکواس کرتے ہو۔ بھلا دس بارہ برس کا لڑکا کیوں کر تمہارے قابو میں نہ آیا۔ خیر میں تو جاتا ہُوں۔“

وُہ دس ہزار آدمیوں کا لشکر لے کر قلعے سے باہر آیا اور کرب غازی کی طرف بڑھا۔ کرب نے دِل میں دُعا کی کہ یا الٰہی، اب تیری مدد کی ضرورت ہے۔ تُو ہی اِس ظالم کے ہاتھ سے مجھے بچانے والا ہے۔ اِتنے میں فتّاح نزدیک آیا اور قہر آلود نِگاہیں کرب غازی پر ڈال کر بولا:

” او لڑکے، تُو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ جلد بتا ورنہ بے نام و نشان مارا جائے گا۔“

”مارنا اور جِلانا تو خُدا کے ہاتھ میں ہے۔“ کرب نے اِطمینان سے جواب دیا۔ ”لیکن میں تجھ سے یہ پُوچھتا ہُوں کہ بے گناہ مخلوق کو ستانا اور اُن کا مال و اسباب لُوٹنا کہاں کی بہادُری ہے۔ تجھے اِن حرکتوں پر شرم نہیں آتی؟“

یہ الفاظ سُن کر فتّاح کا خُون کھَول گیا۔ اپنے سپاہیوں سے کہا پکڑو اِس بدمعاش

کو۔۔۔ سپاہی چاروں طرف سے جھپٹے، مگر کرب غازی نے تلوار نِکال لی اور جو قریب آیا۔ اُسے کاٹ کر رکھ دیا۔ اس کی یہ شجاعت اور مہارت دیکھ کو فتّاح کی آنکھیں کھلیں۔ اپنے آدمیوں سے للکار کر کہا کہ سب پرے ہٹ جاؤ۔ فتّاح کا حکم سُنتے ہی اُس کے آدمی پیچھے ہٹ گئے۔ تب وُہ خُود آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ "اے لڑکے، تُو مجھے کِسی اچھّے گھر کا معلُوم ہوتا ہے۔ میں تیری بے خوفی اور جی داری دیکھ کر بہُت خُوش ہُوا ہُوں۔ بے شک بہادُر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اب بول کیا اِرادہ ہے؟"

"اِرادہ یہ ہے کہ اِس سوداگر کا مال واپس کر جِسے تیرے آدمیوں نے چند روز پہلے لُوٹا تھا۔ پھِر اور بات کروں گا۔"

یہ کہہ کر کرب نے سوداگر کو آواز دی۔ وُہ لرزتا کانپتا سامنے آیا۔ فتّاح نے اُس کا مال اسباب واپس کیا اور کرب غازی کو نہایت عِزّت سے ساتھ لے کر قلعے میں آیا۔ خُوب خاطر تواضع کی، پھر اپنے حالات سُنانے لگا کہ "اے دوست، کِسی زمانے میں مَیں ہیکلان کا سپہ سالار تھا۔ اُس نے وعدہ کیا تھا کہ وُہ

اپنی لڑکی سے میری شادی کر دے گا مگر دُشمنوں کے بہکانے پر میرا دُشمن بن گیا اور میری جان کے درپے ہو گیا۔ تب میں اپنے ساتھیوں کو لے کر یہاں آیا اور اُس وقت سے قزّاقی کا پیشہ اِختیار کیا ہے۔ اگر تُم ہیکلان کا دِل میری طرف سے صاف کر دو تو آیندہ سے قزّاقی نہ کروں گا اور اِس کام سے توبہ کر لُوں گا۔"

کرب غازی نے کہا کہ اگر تُو دینِ اِبراہیمی پر ایمان لے آئے تو میں تیری مدد کا وعدہ کرتا ہُوں۔

غرض فتّاح اپنے چالیس ہزار سپاہیوں سمیت اِیمان لایا۔ اِس دوران میں اُس سوداگر نے تمام واقعات کی خبر ہام اور سام کو پُہنچا دی۔ دونوں حیران ہُوئے اور قلعے میں آئے۔ دیکھا کہ کرب غازی قلعے کا حاکم بنا بیٹھا ہے اور فتّاح غُلاموں کی طرح اس کی خِدمت میں لگا ہُوا ہے۔

چند دِن بعد کرب غازی نے فتّاح کو اپنے ساتھ لِیا اور سب سے پہلے اپنے نانا معرُوف شاہ کے پاس شہر اندیس میں آیا۔ فتّاح نے معرُوف شاہ کو سلام کیا۔

کرب غازی کو دیکھ کر معرُوف شاہ بُہت خُوش ہوا۔ سینے سے چمٹا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور کہنے لگا:

”بیٹا، میں نے تو ہنسی ہنسی میں ایک بات کہی تھی اور تُم ناراض ہو کر چل دیے۔ تمہاری ماں نے رو رو کر بُرا حال کر لیا ہے۔“

”نانا جان، دیکھ لیجیے۔ ہم نے اُس سوداگر کا مال واپس دِلوا دیا۔ اس کے ساتھ فتّاح کو اُس کے تمام آدمیوں سمیت دینِ اِبراہیمی میں بھی داخل کیا۔ کیا میں اب بھی اِس قابل نہیں ہُوا کہ امیر حمزہ کی خدمت میں حاضر ہو سکوں اور اپنے والد عادی پہلوان کے سامنے جا سکوں؟“

”نہیں بیٹا، تُم ہر طرح قابل ہو۔“ معرُوف شاہ نے کہا۔ تب کرب غازی اپنی ماں عادیہ بانو کے پاس آیا۔ ماں نے کلیجے سے لگا کر پیار کیا اور ہزار ہزار دُعائیں دیں۔ کرب غازی کہنے لگا۔

”امّاں جان، ہم نے فتّاح سے وعدہ کِیا ہے، کہ ہیکلان سے اُس کی صُلح کروا دیں

گے۔ اب ہم اُس کے ساتھ مغرب کی جانب جاتے ہیں۔ تُم ہماری کام یابی کی دُعا کرنا۔“

یہ سُن کہ عادیہ بانو کے پیروں تلے کی زمین نِکل گئی۔ اُس نے ہر چند سمجھایا اور روکا کہ کرب غازی نے ایک نہ سُنی اور چند روز بعد فتّاح اور اندیس عیّار کو ساتھ لے کر شہر ثمرات کی جانب روانہ ہُوا۔ یہ لوگ ایک ماہ بعد ثمرات میں پہنچے اور سرائے میں اُترے۔ اندیس عیّار نے فتّاح کی صُورت بدل دی تا کہ کوئی اُسے شناخت نہ کر سکے۔

اگلے روز سرائے میں بیٹھے ناشتا کر رہے تھے کہ بازار میں سے غُل غپاڑے کی آواز آئی۔ کرب نے ایک شخص سے پُوچھا یہ شور کیسا ہے۔ اُس نے بتایا کہ چند قیدی لائے گئے ہیں۔ اُن میں سے ایک امیر حمزہ کا پوتا ہے اور دوسرا اُس کا کوئی دوست۔ یہ سُنتے ہی کرب غازی نے ناشتے سے ہاتھ اُٹھایا اور فتّاح سے کہا:

”چلو ہم بھی دیکھیں کون لوگ ہیں۔“ وُہ اُسی وقت اُٹھ کر بازار آئے۔ گلی

کوچوں میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ کھوّے سے کھوّا چھِل رہا تھا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ دو قیدی بیل گاڑی پر سوار ہیں۔ اُن کے گِرد ہتھیار بند سپاہیوں کا پہرا ہے۔ قیدیوں کے ہاتھ اور پاؤں زنجیروں سے بندھے ہُوئے ہیں اور وُہ بے چارے حرکت بھی نہیں کر سکتے۔ معلُوم ہُوا کہ اُن میں سے ایک کا نام سُلطان سعد ہے اور دوسرا پیر فرخاری ہے۔

اِتنے میں یہ جلوس ہیکلان کے محل میں پُہنچا۔ کرب نے اپنے سپاہیوں سے کہا ہم بھی اندر چلیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں تلوار چلے اور امیر حمزہ کے پوتے کا ہم ساتھ نہ دے سکیں۔ فتّاح نے منع کیا۔ مگر کرب نہ مانا۔ آخر یہ تینوں بھی اِس ہجوم کے ساتھ ہیکلان کی بارگاہ میں پُہنچے۔ دیکھا کہ ایک جواہر نگار عالی شان تخت پر ہیکلان نہایت شان و شوکت سے بیٹھا ہے۔ برابر میں سونے کی ایک کُرسی دھری ہے۔ اُس پر ہیکلان کا بھائی سکندر براجمان ہے۔ جب قیدی ہیکلان کے سامنے پیش کیے گئے تو اُس نے حقارت کی نظر سے سُلطان سعد کو دیکھا اور کہنے لگا:

”اے حمزہ کے پوتے، کیا تجھ کو مجھ سے خُوف نہ آیا؟ اب بہتر یہ ہے کہ خُداوند ثمرات کو سجدہ کرتا کہ میں تجھے رہا کروں اور اپنا سپہ سالار بناؤں۔“

سعد نے جواب دیا ”اے ہیکلان، تُو کِس کھیت کی مُولی ہے۔ میں تجھ پر اور تیرے خُداوند ثمرات پر ہزار ہزار لعنت بھیجتا ہُوں۔ تجھ سے جو ہو سکتا ہے کر لے۔ میں اِس مردُود شیطان کو ہرگز ہرگز سجدہ نہ کروں گا۔“

یہ سُن کر ہیکلان آگ بگولا ہُوا اور جلّاد کو حکم دیا کہ اِس گُستاخ کا سر تن سے جُدا کرو۔ جلّاد اپنا کلہاڑا سنبھال کر سعد کی طرف بڑھا۔ اُسی وقت کرب غازی نے میان سے تلوار کھینچی۔ فتّاح نے بڑی مُشکل سے اُسے روکا اور کہا۔ ابھی لڑنے کا وقت نہیں آیا دیکھنے جایئے کیا ہوتا ہے۔ اِتنے میں سکندر نے ہیکلان سے کہا:

”بھائی صاحب، میرے خیال سے پہلے اِس قیدی کو خُداوند ثمرات کے حضُور میں بھیجئے۔ خُداوند جو فیصلہ کرے، اُس پر عمل کرنا ٹھیک ہو گا۔“

یہ مشورہ ہیکلان کو پسند آیا۔ پہرے داروں سے کہا کہ قیدی کو خُداوند ثمرات کے باغ میں لے جاؤ۔ اور کہنا کہ یہ امیر حمزہ کا پوتا ہے۔ اب آپ کو اِختیار ہے کہ جو چاہیں اِس سے سلوک کریں۔

سپاہی سُلطان سعد اور پیر فرخاری کو خُداوند ثمرات کے باغ میں لے گئے۔ کرب غازی، فتّاح اور اندیس بھی چلے مگر دروازے پر اِس قدر ہجوم تھا کہ باغ میں داخل نہ ہو سکے اور باہر ہی رہ گئے۔

باغ میں سیاہ پتھّر کا تین منزلہ مکان تھا۔ جِس کے دالانوں اور کمروں میں ہزارہا سونے چاندی کے بُت رکھے تھے۔ لوگ اِن بُتوں کے آگے سجدہ کرتے اور نذریں چڑھاتے۔ ایک بُہت بڑا بُت مکان کے درمیانی صحن میں رکھا تھا اور اِس کے آگے ڈھیروں میوے، مٹھائیاں اور طرح طرح کے کھانے دھرے تھے۔

ہیکلان کے آدمی سعد اور پیر فرخاری کو گھسیٹتے ہُوئے اِس بُت کے آگے لے گئے اور کہنے لگے:

”اے خُداوند ثمرات، یہ امیر حمزہ کا پوتا سُلطان سعد ہے۔ ہیکلان نے اِسے میرے پاس بھیجا ہے۔“

یکایک اِس بُت کے حلق میں سے آواز آئی۔ ”اے حمزہ کے پوتے، ہم نے تُم کو یہ شان و شوکت عطا کی اور ایسا زور بخشا کہ تمام دُشمنوں پر تُم نے فتح پائی۔ نوشیرواں کی ساری سلطنت پر تُم نے قبضہ جمایا، کوہ قاف فتح کیا، ہزاروں جِنوں، پریوں اور پری زادوں کو مطیع کیا، فرنگستان میں جادُوگروں کے ہاتھ سے تُم کو اور تمہارے دادا حمزہ کو محفوظ رکھا، اور اب اِس کا صلہ یہ ہے کہ مجھے سجدہ کرنے سے اِنکار کرتے ہو؟“

سعد نے بُت پر تھُوکا اور جواب میں کہا۔ ”او شیطان، تجھ پر خُدا کی لعنت ہو۔ تُو لوگوں کو بہکاتا ہے۔“

یہ سُنتے ہی بُت نے پہرے داروں سے کہا۔ ”اِس گُستاخ کو ابھی قتل کرو اور وُہ سامنے جو دو شخص کھڑے ہیں، اُنہیں بھی پکڑ لو۔ اِن میں سے ایک ابوالفتح اور دوسرا گُل باد عراقی ہے۔ امیر حمزہ نے اِن کو جاسوسی کے لیے یہاں بھیجا

ہے۔"

بُت کا اِشارہ پاتے ہی سپاہی دوڑے۔ گُل باد اور ابُوالفتح واقعی وہاں موجود تھے۔ اُنہوں نے جب دیکھا کہ راز فاش ہو گیا ہے تو جلدی سے خنجر نِکالے اور آناً فاناً دس سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ مگر وہاں تو ہزار ہا آدمیوں کا ہجُوم تھا۔ کِس کِس کو مارتے۔ آخر پکڑے گئے۔ خُداوند ثمرات نے حکم دیا کہ اب رات ہو گئی ہے۔ صُبح مُنہ اندھیرے ہی اِن سب کو قتل کر دینا۔

اِن چاروں کو قید خانے میں بند کر دیا گیا۔ کرب غازی نے لوگوں کی زبانی سب حالات معلُوم کیے اور پُوچھا کہ یہ قیدی کِس جگہ قتل ہُوں گے۔ ایک نے کہا کہ وُہ سامنے میدان میں قتل گاہ بنی ہُوئی ہے وہیں اِن کی گردنیں اُتاری جائیں گی۔ کرب غازی سخت پریشان ہُوا۔ سوچنے لگا کیا تدبیر کروں کہ اِن کی جانیں بچیں۔ تینوں سرائے میں واپس آئے۔ فتّاح نے کہا:

"بھائی کرب، کھانا تیّار ہے۔ چند لُقمے کھالو۔"

کرب نے کہا ”میری بھوک پیاس سب اُڑ چکی ہے۔ ہائے، صُبح امیر حمزہ کا پوتا اور اُس کے دوست قتل ہُوں گے۔ خیر، میں نے بھی فیصلہ کر لیا ہے کہ اِن کے ساتھ ہی مروں گا۔“

”کرب بھائی، فِکر نہ کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہی جان دُوں گا۔ تمہیں اکیلا نہ جانے دُوں گا۔“

ابھی صُبح ہونے میں کُچھ دیر تھی کہ منادی کرنے والے بازاروں میں آ گئے اور اُنہوں نے ڈھول پیٹ پیٹ کر اعلان کیا کہ سورج نکلنے کے فوراً بعد امیر حمزہ کے پوتے سُلطان سعد اور پیر غازی کو سُولی پر لٹکایا جائے گا۔ ہر خاص و عام کو بادشاہ کی طرف سے اِجازت ہے کہ قتل گاہ میں آ کر یہ تماشا دیکھے۔

یہ اِعلان سُنتے ہی کرب غازی اُٹھ کھڑا ہُوا۔ فتّاح کو بھی جگایا۔ اُس نے بھی منادی سُنی۔ کرب کہنے لگا: ”میری ہزار جانیں سُلطان سعد کے ایک ناخن پہ نثار ہیں۔“

کرب نے اندیس کو سرائے میں ٹھہرنے کی ہدایت کی اور فتّاح کے ساتھ قتل گاہ میں پُہنچا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ چاروں طرف سے خُدا کی مخلوق کھِنچی چلی آتی ہے۔ ایک دُنیا وہاں جمع ہے۔ میدان میں سولی گڑی ہُوئی ہے اور مریخ عاد نامی ایک پہلوان پچاس ہزار سپاہیوں کے ساتھ اِنتظام کر رہا ہے۔

اِتنے میں غُل مچا کہ قیدی قتل گاہ میں لائے جا رہے ہیں۔ مریخ عاد نے قیدیوں کو سولی کے پاس کھڑا کیا اور جلّادوں کو حکم دیا کہ فوراً اُن کو پھانسی دو۔ جُونہی جلّاد سعد کی طرف بڑھے، کرب غازی نے طیش میں آن کر نعرہ مارا اور تلوار کھینچ کر جلّاد کی طرف لپکا۔ فتّاح نے بھی تلوار نِکالی اور آن کی آن میں جلّادوں کو کاٹ کر ڈال دیا۔ پھر سعد اور پیر فرخاری کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کاٹ کر اُنہیں آزاد کیا۔ اِن دونوں نے بھی دُشمن کے سپاہیوں کو مار کر اُن کی تلواریں اور ڈھالیں قبضے میں کیں اور لڑائی پر کمر بستہ ہُوئے۔

یہ دیکھ کر تماشائیوں میں ہل چل مچ گئی۔ جِس کا جِدھر مُنہ اُٹھا، اُدھر بھاگ نِکلا۔ ہیکلان کے سپاہیوں پر بھی ہراس طاری ہُوا۔ چار آدمیوں کے مُقابلے

میں پچاس ہزار سپاہی آگے بڑھنے سے کترانے لگے۔ اچانک ہیکلان کا بھائی سکندر عاد میدان میں آیا اور اپنے سپاہیوں سے کہا۔ ''بُزدِلو، اِن چار سپاہیوں کے سامنے جاتے ہوئے گھبراتے ہو۔ فوراً اِنہیں گھیر لو اور کام تمام کرو۔''

غرض یہ چاروں بہادُر لڑتے لڑتے دُشمنوں کے گھیرے میں آ گئے۔ لیکن اِتنی ہی دیر میں اُنہوں نے سینکڑوں کو موت کا راستہ دِکھا دیا۔ آہستہ آہستہ اِن میں تھکاوٹ کے آثار نمودار ہونے لگے اور تلوار چلاتے چلاتے بازُو شل ہوئے۔ تب پیر فرخاری نے حسرت بھری نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھا اور دِل میں دُعا کرنے لگا کہ یا الٰہی، تو ہی ہم بے کسوں کی مدد کرنے والا ہے۔ ہم تیرے آگے گِڑگِڑاتے ہیں۔ ہماری فریاد سُن اور جلد مدد بھیج۔

ابھی یہ دُعا مُشکل سے ختم ہُوئی تھی کہ بیابان میں ایک لشکرِ جرّار نمودار ہُوا۔ اِس لشکر کی رہنمائی ایک سفید پوش نقاب دار کر رہا تھا۔ اُس نے آتے ہی پلک جھپکتے میں دُشمنوں کو تلوار کی باڑھ پر رکھ لیا اور ایسا قتلِ عام کیا کہ ہر طرف لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ ہیکلان کی بچی کھُچی فوج ہتھیار پھینک، سر پر پاؤں

رکھ کر بھاگ اُٹھی۔ اِتنے میں آسمان پر سیاہ آندھی پیدا ہُوئی۔ ایسا گرد و غُبار اُڑا کہ قریب کی چیز بھی دِکھائی نہ دیتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد جب آندھی کا زور ختم ہُوا تو کرب غازی، فتّاح، سُلطان سعد اور پیر فرخاری نے دیکھا کہ سفید پوش نقاب دار کا لشکر غائب ہے۔ اِن سب نے اِس غیبی مدد پر خُدا کا شُکر ادا کیا۔ اور آپس میں باتیں کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے۔ سعد نے کرب غازی پر محبّت کی نظریں ڈال کر کہا:

"بھائی، تُم دیکھنے ہیں تو بُہت چھوٹی عُمر کے نظر آتے ہو مگر خُدا کی قسم لڑنے میں کِسی بڑے سے بڑے شہ زور پہلوان سے کم نہیں۔ بھائی، تمہارا نام کیا ہے اور یہاں کیسے آئے؟"

کرب غازی نے جواب دیا۔ "بس یہ سمجھ لیجیے کہ آپ کا غُلام اور جان نثار ہُوں۔ نام پُوچھ کر کیا کیجیے گا۔ خُدا نے چاہا تو پھر کبھی عرض کروں گا۔ اِس وقت موقع نہیں ہے۔ اب مجھے اِجازت دیجیے۔"

یہ کہہ کر فتّاح کو چلنے کا اِشارہ کیا۔ دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور وہاں سے

چل دیے۔ سعد اور پیر فرخاری حیرت سے مُنہ کھولے اُنہیں جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ اِس کے بعد اُنہوں نے بھی دُشمن کے لشکر کے دو گھوڑے پکڑے اور سوار ہو کر بصرے کی جانب روانہ ہوئے۔ کیوں کہ اُن دِنوں امیر حمزہ کا لشکر وہیں رُکا ہُوا تھا۔

امیر حمزہ کو جاسوسوں نے خبر دی کہ سُلطان سعد اور فرخاری حاضِر ہوتے ہیں۔ وُہ بہُت خُوش ہوئے اپنے کئی سرداروں کو سعد کے اِستقبال کے لیے روانہ کِیا اور وُہ بڑی دھُوم دھام سے سعد کو بارگاہ میں لائے۔ سعد نے قباد کے پائے تخت کو بوسہ دیا، امیر حمزہ کی خدمت میں تسلیم بجالائے اور اپنی کُرسی پر جا بیٹھے۔ پیر فرخاری نے بھی ادب سے سب کو سلام کیا اور حسبِ مرتبہ اپنی جگہ جا بیٹھا۔ امیر حمزہ نے سعد سے حال پُوچھا۔ سعد نے ہیکلان، سکندر عاد اور خُداوند ثمرات کا سب حال بیان کیا۔ پھِر بتایا کہ ایک کم سِن نوجوان ہماری مدد کو آیا اور جلّادوں کو مار کر ہمیں سولی سے بچایا۔ امیر حمزہ نے کہا تُم اُسے اپنے ساتھ کیوں نہ لائے۔ سعد نے عرض کیا کہ یا امیر، میں نے ہر چند اُس

نوجوان سے درخواست کی مگر وُہ کسی صُورت سے نہ آیا اور اپنا نام بھی نہ بتایا۔ البتّہ اِتنا کہا کہ اگر زندگی رہی تو بُہت جلد امیر کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔

اِتنی باتیں کر کے سعد نے کہا "یا امیر، جِس روز میں شہر ثمرات میں قید تھا۔ اُسی روز معلُوم ہُوا کہ نوشیر واں کا خط ہیکلان کے پاس آیا ہے اور اس نے مدد مانگی ہے۔ ہیکلان نے سکندر عاد کو حکم دیا ہے کہ پانچ لاکھ سپاہی لے جاؤ اور شہنشاہ نوشیر واں کی مدد کرو۔"

امیر حمزہ یہ سُن کر مُسکرائے اور کہنے لگے۔ "اللہ مالک ہے۔ اگر ہم سچائی اور حق کے راستے پر ہیں تو فتح ہماری ہو گی۔"

پھر اُنہوں نے عُمرو عیّار کی طرف دیکھا۔ وُہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ امیر حمزہ نے کہا۔ "اے خواجہ کِس فکر میں ہو؟ بُہت دیر سے چُپ چاپ بیٹھے ہو۔"

تب عُمرو نے انگڑائی لی اور کہنے لگا۔ ”جب سے میں نے خُداوندِ ثمرات کا ذکر سُنا ہے، طبیعت بے چین ہے۔ سعد نے بتایا ہے کہ باغِ ثمرات میں ہزاروں بُت سونے اور چاندی کے دھرے ہیں۔ جب سے میرے مُنہ میں پانی بھر آیا ہے۔ کاش، یہ سب بُت میرے قبضے میں آسکتے۔“

”اے عُمرو، خُدا تُم پر رحم کرے۔ تمہاری زنبیل میں جتنے خزانے بھرے ہیں، اِتنے رُوئے زمین پر کِسی اور کے پاس نہ ہُوں گے۔ مگر تمہارے لالچ میں کمی نہ آئی۔“

یہ سُن کر سب ہنس پڑے اور عُمرو شرمندہ ہو کر وہاں سے اُٹھ گیا۔

طلِسم کرب نوس عاد

سُلطان سعد اور پیر فرخاری سے رُخصت ہو کر کرب غازی اپنے ساتھیوں کو لے کر شہرِ ثمرات کی طرف آیا۔ راستے میں کیا دیکھتا ہے کہ وُہی سفید پوش نقاب دار ایک جگہ اکیلا موجُود ہے۔ کرب غازی اور فتّاح اُسے دیکھ کر بہُت خُوش ہوئے اور قریب جا کر پُوچھنے لگے کہ ”اے نقاب دار، تیری جرأت اور ہمّت پر آفرین ہے، اگر تُو مدد کے لِیے نہ آتا تو اب تک ہم خاک خُون میں پڑے لوٹ رہے ہوتے۔ اپنا نام بتا۔“

تب نقاب پوش نے اپنے چہرے سے نقاب اُٹھایا اور فتّاح اُسے دیکھتے ہی حیرت سے چِلّا اُٹھا: ”اے گُل، یہ تُم ہو۔۔۔۔“

گُل چہرہ نے شرما کر سر جھُکا لیا۔ یہ دراصل ہیکلان کی بیٹی تھی اور اُسے کِسی ذریعے سے شہر ثمرات میں فتّاح کے آنے کا پتا چل گیا تھا اور جب اُس نے سُنا کہ کرب غازی اور فتّاح قیدیوں کو رہا کرانے گئے ہیں تو بے تاب ہو کر اپنے لشکر کے ساتھ میدان میں آ گئی۔

کرب غازی نے اُسے دینِ اِبراہیمی میں داخل کِیا اور شہر اُندرُوس میں پہنچ کر فتّاح سے اُس کی شادی کرا دی۔ معرُوف شاہ اور عادیہ بانو نے کرب غازی کے کارنامے سُنے تو خُوشی سے پھولے نہ سمائے اور جشن منانے کا حکم دیا۔ فتّاح نے بھی شہر اُندرُوس میں سکونت اِختیار کی اور آسائش و آرام سے رہنے لگا۔

بُہت دِن اِسی طرح گُزر گئے۔ ایک دِن کرب غازی اپنے ماموؤں ہام اور سام کے ساتھ صحرا میں شکار کھیلنے گیا۔ وہاں کالے پتھّر کا قلعہ نظر آیا جِس پر نظر ڈالنے سے دِل خوف کھاتا تھا۔ کرب غازی نے ہام سے پُوچھا۔ ”ماموں جان، یہ قلعہ کِس نے بنوایا ہے اور اِس کے اندر کون رہتا ہے؟“

ہام نے جواب دیا۔ ”اِس کے بارے میں کُچھ نہ پوچھو۔ یہ طلِسم کرب نوس عاد ہے۔ اِس میں جو داخل ہُوا، پلٹ کر نہیں آیا۔ ہم نے اپنے بزرگوں سے سُنا ہے کہ اِس قلعے کے اندر ایک سو تیس بُرج ہیں۔ ہر بُرج کی اُونچائی تین سو ساٹھ گز ہے۔ تمام بُرجوں پر ایک ایک دیو مُنہ سے نفیری لگائے کھڑا ہے۔ جونہی کوئی شخص اِس طلِسم میں داخل ہوتا ہے، ایک شیر دھاڑتا ہوا آتا ہے اور اُس آدمی کو مُنہ میں دبا کر لے جاتا ہے۔ اِس موقع پر یہ تمام دیو زندہ ہو کر نفیری بجانے لگتے ہیں۔ اُس آواز سے کوہ و بیابان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔“

یہ قِصّہ سُن کر کرب نے کہا: ”مجھے قسم ہے اُس ذات کی جِس نے پیدا کیا، اِس طلِسم کو توڑے بغیر یہاں سے نہ جاؤں گا۔“

سام اور ہام کہنے لگے ”اے لڑکے، کُچھ سودائی ہُوا ہے جو ایسی باتیں کرتا ہے؟ کئی سورما اس آرزو میں قلعے کے اندر گئے اور لوٹ کر نہ آئے۔ تُو کیا تیر مارے گا۔ بس چُپکا ہو جا اور ہمارے ساتھ شہر واپس چل۔“

کرب غازی کا چہرہ طیش کے مارے لال ہو گیا۔ مگر اُس نے ہام اور سام سے

صرف اِتنا کہا۔ ”آپ میرے بزُرگ ہیں، یہی کلمے کِسی اور کے مُنہ سے نِکلے ہوتے تو گُدّی سے زبانیں کھینچ لیتا۔ اب بہتر یہی ہے کہ آپ تشریف لے جائیں۔ میں آج کی رات اِسی صحرا میں آرام کروں گا۔“

ہام اور سام نے بہترا سمجھایا مگر کرب غازی ٹس سے مَس نہ ہُوا۔ آخر اُنہوں نے اُسے وہیں صحرا میں چھوڑا اور خُود شہر واپس چلے گئے اور فتّاح سے ذِکر کِیا۔ وُہ دوڑا دوڑا آیا اور کرب غازی کو سمجھانے کی کوشِش کی کہ اِس بے ہودہ خیال سے باز آؤ، نقصان اُٹھاؤ گے لیکن غازی نے اُسے ڈانٹا اور کہنے لگا کہ میں جو اِرادہ کر چُکا ہُوں، خُدا نے چاہا تو اُسے پورا کر کے رہوں گا۔ تب فتّاح ناچار ہُوا اور اُس نے بھی وہیں صحرا میں خیمہ لگایا۔

آدھی رات کے وقت کرب نے خواب میں دیکھا کہ ایک بُڈّھا آیا ہے۔ اُس کی لمبی سفید ڈاڑھی زمین کو چھُو رہی تھی۔ کرب نے اُس پیر مرد کو سلام کِیا اور پُوچھا۔ آپ کون ہیں؟ اُس نے بتایا کہ میرا نام کرب نوس عاد ہے۔ جِس وقت میں اِس دنیا میں جیتا تھا تو میں نے سینکڑوں پہلوانوں اور جادُوگروں کو

قتل کیا۔ سارے عالم میں میری بہادُری کی دھوم مچی، بڑے بڑے بادشاہ اور راجہ مجھے خراج ادا کرتے اور میری غُلامی کا دم بھرتے تھے۔ قِصّہ مُختصر یہ کہ میں نے برسوں کی محنت کے بعد یہ طلِسم بنایا تاکہ میرا نام باقی رہے۔ اب میں اِس طلِسم کی فتح تجھے بخشتا ہُوں۔ کرب غازی یہ سُن کر خُوش ہُوا اور کہنے لگا۔

"مگر یہ تو بتائیے کہ طلِسم آخر فتح ہو گا کیسے؟"

کرب نوس عاد بولا۔ "سورج نکلنے کے فوراً بعد گھوڑے پر سوار ہو کر دائیں جانب روانہ ہو جائیو۔ قلعے کو بائیں جانب چھوڑ دیجیو۔ بیابان میں ایک جگہ نہایت سر سبز درخت ملے گا جس کی شاخیں زمین کو چھُوتی نظر آئیں گی۔ ہر شاخ میں سے خُون کے قطرے ٹپک رہے ہُوں گے۔ خنجر سے اُس درخت کی جڑ کو کھودنا، ایک یاقُوت مِلے گا۔ اِس کے اندر سُوراخ ہو گا۔ اس میں دھاگہ پرو کر یہ یاقُوت اپنے دائیں بازُو پر باندھ لینا۔ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔ پھِر اِس درخت سے آگے پانچ سو قدم دُور چل کر ایک بڑا کالا پتھّر زمین پر پڑا ہو گا، اُسے اُٹھایا۔ اُس کے نیچے ایک گہرا اور اندھیرا کنواں ہو گا۔ تُو بے خطر اُس

کنویں میں اُتر جائیو۔ ہر گز خوف نہ کھائیو۔ اِس کنویں میں اُترنے کے لیے سیڑھیاں بنی ہُوں گی۔ کُنویں کی تہہ میں پُہنچ کر کُچھ روشنی نظر آئے گی۔ ایک بند دروازہ مِلے گا۔ اُسے کھول لینا۔ اپنے آپ کو ایک پُر فضا باغ میں پائے گا۔ وہاں ایک بارہ دری یاقُوت اور الماس کی بنی ہو گی۔ اِس کے اندر فولاد کا ایک صندُوق دھرا ہے۔ اس کو ہاتھ سے مت چھونا بلکہ اپنا خنجر اُس کے ڈھکنے پر رکھ دینا۔ اُسی وقت صندُوق کھُلے گا۔ اُس کے اندر حکیم جالینوس کا آئینہ رکھا ہے۔ بس یہ آئینہ اُٹھالینا۔ یہ تجھے ہر مرحلے پر مشورہ دے گا۔ بغیر آئینہ دیکھے کوئی کام نہ کرناورنہ آفت میں پھنسے گااور ہر گز رہاہو گا۔"

یہ کہہ کر کرب نوس عاد غائب ہو گیا۔ غازی کی آنکھ کھُلی۔ بدن پسینے میں تر پایا۔ سانس پھُولا ہُوا تھا۔ اُسی لمحے فتّاح کو جگا کر یہ خواب سُنایا۔ اُس نے مُبارک باد پیش کی۔

غازی سُورج نکلنے کے فوراً بعد گھوڑے پر بیٹھ کر دائیں جانب چلا۔ جیسا کہ کرب نوس نے بتایا تھاوہی حالات پیش آئے۔ کنویں میں اُتر کر بارہ دری کے

اندر داخل ہُوا۔ فولادی صندُوق میں سے جالینوس کا آئینہ حاصل کیا۔ اُس کے اُوپر موٹے موٹے حروف میں لکھا تھا:

”جو شخص اِس آئینے کو پائے تو چند باتوں کا خیال رکھے۔ اوّل تو یہ کہ اِس طلِسم کی بربادی کا خیال دِل میں نہ لائے۔ کیوں کہ اِس کی بربادی آسان نہیں ہے۔ دنیا کے چالیس حکیموں کی رائے اور مشورے سے یہ عجیب و غریب طلِسم تیّار کیا گیا ہے اور دوبارہ اِسے بنانا مُمکن نہیں۔ دوم اگر اِسے فتح کرنے کا پکّا اِرادہ کر ہی لیا جائے تو پھر ضروری ہے کہ اِس بارہ دری کے مغرب کی جانب سفر کرے۔ کُچھ فاصلے پر سیاہ رنگ کی ایک عمارت نظر آئے گی۔ بے دھڑک اُس میں چلا جائے۔ اُس کے درمیان میں ایک حوض پانی سے لبالب بھرا مِلے گا۔ اُس میں خوب نہائے۔ پھر ایک جانب بیٹھ کر اِنتظار کرے۔ تھوڑی دیر بعد آسمان پر ایک بُہت بڑا پرندہ نمودار ہو گا۔ اِسے فیل مُرغ کہتے ہیں۔ اِس پرندے کی ٹانگوں سے چمٹ جائے۔ یہ پرندہ اُسے لے کر اُڑ جائے گا۔ پھر حسبِ ضرورت اِس آئینے سے مشورہ کرے۔“

کرب غازی تو اس طلِسم کو فتح کرنے کی نیّت سے آیا ہی تھا۔ فوراً مغرب کی طرف چل پڑا۔ ایک کوس دُور کسی عمارت کے آثار دِکھائی دیے۔ یہاں ایسی وحشت اور ویرانی تھی کہ رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ عمارت ہزاروں برس پرانی معلُوم ہوتی تھی اور اُوپر سے نیچے تک کالے پتھّر کی بنی ہُوئی تھی۔ اُس کا دروازہ بھی نہایت عالی شان تھا۔ کرب غازی خُدا کا نام لے کر اندر گیا۔ حوض میں نہایا۔ پھِر باہر آکر بیٹھا۔ چند لمحے بعد آسمان پر ایک گونج دار آواز سُنائی دی۔ نِگاہیں اُٹھا کر دیکھا۔ ایک دیو جیسا پرندہ پر پھڑ پھڑاتا ہُوا وہاں اُتر رہا تھا۔ اُس کی ٹانگیں درخت کے تنے کی مانند موٹی موٹی اور مضبُوط تھیں۔ پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سے آندھی سی آگئی۔ کرب غازی لپک کر گیا اور پرندے کی ایک ٹانگ سے چمٹ گیا۔ وُہ اُسے لے کر اُڑ گیا اور اِتنی اُونچائی پر پُہنچا کہ جب غازی نے نیچے جھانکا تو زمین ایک گیند کی مانند نظر آنے لگی۔ بُہت دیر تک یہ پرندہ آسمان کی وُسعتوں میں اُڑتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ نیچے آنے لگا۔ بے چارہ کرب غازی آنکھیں بند کیے خُدا کو یاد کر رہا تھا۔

یکایک فیل مُرغ نے ایک جھٹکا مارا اور کرب غازی کٹی ہُوئی پتنگ کی طرح ہوا میں اُڑتا اور قلابازیاں کھاتا نیچے آیا اور ایک درخت کی شاخوں میں اُلجھ گیا۔ جب حواس ٹھیک ہُوئے تو جیب سے جالینوس کا آئینہ نِکال کر دیکھا۔ اس پر لِکھا تھا:

"اِس طلِسم کو فتح کرنے والے شخص پر لازم ہے کہ تھوڑی دیر تک آرام کرے۔ اُس کے بعد ایک دیو اِسی درخت کے نیچے سے نِکلے گا اور لڑائی کے لیے للکارے گا مگر تُو اس کی طرف ہرگز توجّہ نہ دیجیو، اور اِس کی بات کا جواب دینے سے پرہیز کیجیو۔ وُہ دیو ناراض ہو کر درخت پر چڑھے گا۔ اُس وقت تُو موقع پا کر چھلانگ لگائیو اور اُس دیو کی گردن پر سوار ہو جائیو۔ اگر اُس کی ہیبت پر تیرے دِل پر طاری ہُوئی تو سمجھ لے کہ وُہ دیو تجھے چٹ کر جائے گا اور ہرگز زندہ نہ چھوڑے گا۔"

کرب غازی نے چند لمحے درخت پر آرام کیا۔ اِتنے میں زمین ایک شور سے پھٹی اور سُرخ رنگ کا ایک خوف ناک دیو نمودار ہُوا۔ اس کی آنکھیں

انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں اور لمبے لمبے سفید دانت مُنہ سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں چمکتی ہُوئی تلوار تھی۔ کرب نے دیو کو دیکھ کر خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔ یکایک دیو نے گرج دار آواز میں کہا:

"اے آدم زاد، نیچے اُتر اور مجھ سے مقابلہ کر۔ ورنہ درخت پر چڑھ کر تیرے جسم کا ایک ایک حِصّہ تلوار سے کاٹ ڈالوں گا۔"

کرب غازی نے کوئی جواب نہ دیا۔ دیو نے کئی بار اُسے مُقابلے کے لیے للکارا مگر بے سود۔ آخر دیو درخت پر چڑھنے لگا۔ کرب غازی نے موقع پا کر چھلانگ لگائی اور اُس کی گردن پر سوار ہو گیا۔ دیو ہَوا کی رفتار سے اُڑا اور کرب کو ایک دریا کے کنارے اُتار کر غائب ہو گیا۔ اُس دریا میں سے طرح طرح کی خوف ناک آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔ دلیر ہونے کے باوجود کرب غازی کا دل تھرّا گیا۔ دریا کے دونوں کناروں پر نہایت گھنا جنگل تھا۔ یکایک ایک ہولناک شور کے ساتھ جنگل میں سے سینکڑوں شیر چیتے، بھیڑیے، بن مانس اور گینڈے دوڑتے ہوئے آئے۔ غازی ڈر گیا لیکن اچانک آئینے پر نظر

پڑ گئی۔ اس پر لکھا تھا:

"اے کرب، اِن درندوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اِن میں کالے رنگ کا ایک شیر ہے۔ جب وُہ تیرے نزدیک آئے تو اُچھل کر اُس کی پیٹھ پر سوار ہو جا۔"

غازی نے کالے شیر کو دیکھ لیا۔ وُہ تمام درندوں میں سب سے بڑا اور اُونچا تھا۔ جُونہی وُہ دوڑتا ہُوا قریب آیا، غازی اُچھل کر اُس کی پشت پر سوار ہُوا اور دونوں کان پکڑ لیے۔ شیر پہلے تو خُوب اُچھلا کُودا اور غازی کو گِرانے کی کوشِش کی مگر غازی اُس کے بدن سے اِس بُری طرح چمٹا ہُوا تھا گویا شیر ہی کے جسم کا کوئی حِصّہ ہے۔ اچانک شیر دریا میں کُود گیا۔ تب کرب غازی کی آنکھوں تلے اندھیرا چھایا اور کُچھ ہوش نہ رہا۔ جب آنکھیں کھلیں تو اپنے آپ کو ایک عالی شان مکان میں پایا۔ قریب ہی کالا شیر مرا پڑا تھا۔ غازی نے اُسے غور سے دیکھا تو حیران ہُوا۔ معلُوم ہُوا کہ یہ مصنوعی شیر ہے۔ کھال کے اندر گھاس پھُوس بھرا تھا۔ دِل میں سوچنے لگا یا الٰہی یہ کیا تماشا ہے۔ اُس

مکان میں خُوب گھُوما پھِرا مگر کِسی کو نہ پایا۔ اِتنا بڑا مکان خالی پڑا تھا۔ البتّہ جا بجا شیروں اور چیتوں کے مجسمے وہاں رکھے تھے اور اُن کے جبڑوں میں اِنسانی ہاتھ پاؤں دبے ہُوئے تھے۔ کرب غازی اِن سب کو حیرت کی نظروں سے دیکھتا بھالتا چلا جا رہا تھا کہ ناگہاں آسمان کی جانب سے ایک دیو نے آواز دی:

"او آدم زاد، کِدھر جاتا ہے؟ دیکھ، ابھی تجھے ہڑپ کرتا ہُوں۔"

یہ کہہ کر دیو نیچے اُترا۔ اس کی آنکھوں سے شُعلے نِکل رہے تھے اور ہاتھ میں کلہاڑا تھا۔ کرب نے بھی جلدی سے اپنی تلوار کھینچی اور لڑنے کے لیے مُستعد ہُوا۔ یہ دیکھ کر دیو نے مُنہ کھول کر ایسا قہقہہ لگایا کہ مکان خُشک پتّے کی طرح کانپنے لگا۔ کرب غازی نے بڑھ کر تلوار ماری۔ اِتنے میں وُہ دیو دھواں بن کر تمام مکان میں پھیل گیا اور ایسا اندھیرا چھایا کہ قریب کی چیز بھی نظر نہ آتی تھی۔ بے چارہ کرب غازی پریشان ہُوا اور گھُٹنوں میں سر دے کے بیٹھ رہا۔

بُہت دیر بعد تاریکی دُور ہُوئی۔ کیا دیکھتا ہے کہ نہ وُہ مکان ہے نہ دھواں، ایک لق و دق صحرا ہے جِس میں دُور دُور تک ریت کے ٹیلے اور پہاڑ بھرے ہوئے

ہیں۔ کُچھ دُور ایک مکان نظر آیا۔ اُس کے قریب ہی ہزاروں آدمی چلتے پھرتے اور کام کاج میں مصروف دِکھائی دِیے۔ کرب غازی خُوشی خُوشی اس طرف چلا۔ ایک شخص کے پاس جا کر سلام کیا۔ مگر اُس نے کُچھ جواب نہ دِیا۔ دُوسرے سے بات کرنا چاہی مگر اُس نے بھی توجّہ نہ دی۔ غرض کرب نے جِسے بھی مخاطب کیا، وہی انجان بن گیا۔ آخر کرب نے چیخ کر کہا:

”معلُوم ہوتا ہے تُم سب بہرے ہو۔ میری آواز نہیں سُنتے۔“

اس پر سب ہنسنے اور قہقہے لگانے لگے۔ پھر کوئی مُنہ چڑانے لگا اور کوئی گالیاں دیتا تھا۔ یہ حرکتیں دیکھ کر کرب کو طیش آیا۔ تلوار نِکال کر اُنہیں مارنے کے لیے جھپٹا مگر یک لخت وُہ سب کے سب غائب ہو گئے اور کرب اِس صحرا میں اکیلا رہ گیا۔ آئینے میں دیکھا، لِکھا تھا:

”اے کرب، اِن شُعبدوں سے بدحواس نہ ہو۔ ناک کی سیدھ میں چلا جا۔“

وُہ آگے بڑھا۔ ایک کُنواں مِلا۔ کمند کے ذریعے اُس کے اندر اُتر گیا۔ کیا دیکھتا

ہے کہ کنویں کی تہہ میں ایک چراغ روشن ہے اُس کی روشنی میں ایک دروازہ نظر آیا۔ اُسے کھولا تو ایک میدان میں داخِل ہُوا۔ وہاں دو گائیں آپس میں لڑ رہی تھیں۔ دونوں کے سینگ ایک دوسرے میں گتھے ہوئے تھے۔ کرب نے آئینے سے مشورہ لِیا۔ لِکھّا تھا۔ "اپنی قُوّتِ بازُو سے کام لے اور دونوں کو الگ الگ کر۔"

کرب غازی آستینیں چڑھا کر گایوں کی طرف بڑھا اور اُن کو الگ الگ کِیا۔ اب جو غور سے دیکھا تو یہ گائیں بھی گھاس پھُوس کی بنی ہوئی ہیں۔ دِل میں کہنے لگا یہ طلِسم جِن حکیموں نے بنایا ہے وُہ بھی عجب مسخرے تھے۔ ظالموں نے جو چیز بنائی ایسی ہی بنائی۔ آگے بڑھا تو دیکھا دو مینڈھے لڑتے ہیں۔ اُنہیں بھی آئینے کی ہدایت پر الگ الگ کیا۔ اب جو دیکھا تو یہ مینڈھے بھی موم اور اُون کے بنے ہوئے تھے۔ وہاں سے آگے چلا۔ ایک باغ میں سے گُزر ہُوا۔ یکایک سپاہیوں کا ایک غول نمودار ہُوا۔ اِن کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔۔۔ ایسا معلُوم ہوتا تھا کہ وُہ کرب پر حملہ کرنے آرہے ہیں۔ اُس نے

آئینہ میں دیکھا۔ لِکھّا تھا:

”یہ سب کے سب موم کے بنے ہُوئے ہیں۔ جلدی سے یہ آئینہ زمین پر پھینک دے اور تماشا دیکھ۔“

کرب نے ایسا ہی کیا۔ آئینہ پھینکتے ہی آگ کا ایک شعلہ بھڑکا اور اِن سپاہیوں کی طرف بڑھا۔ آناً فاناً یہ سب پگھل گئے اور وُہ منظر غائب ہو گیا۔ کرب نے دیکھا کہ پھر وہی صحرا ہے۔ چند قدم پر دو دروازے برابر دِکھائی دِیے۔ ایک بند اور دوسرا کھُلا تھا۔ آئینے کی ہدایت پا کر کرب غازی نے بند دروازہ کھولا اور کھُلے دروازے کو بند کر دِیا۔ اس میں دو قالین رکھے تھے ایک تہہ کِیا دُوسرا بچھا تھا۔ کرب نے آئینے میں دیکھ کر تہہ کیے ہُوئے قالین کو بچھایا اور جو بچھا ہُوا تھا، اُسے تہہ کر دیا۔ پھر آگے بڑھا۔ ایک باغ کے اندر آیا۔ دیکھا کہ ایک حوض خالی پڑا ہے۔ قریب ہی کُنواں ہے جِس میں سے ایک دیو پانی کھینچ کر حوض میں بھر رہا ہے۔ ایک طرف کوئی بُڑھیا چرخا کات رہی ہے۔ اس کے سامنے ایک بُڈّھا کسی کِتاب کا مطالعہ کر رہا ہے۔

دیو نے کرب غازی کو دیکھ کر کہا "اے جوان، جلد آ اور مجھے اِس عذاب سے نجات دلا۔"

"تجھ پر کیا عذاب ہے اور تجھے کیوں کر اِس سے نجات دِلاؤں۔" کرب نے پُوچھا، تب دیو نے جھلّا کر کہا۔ "اے آدم زاد، یہ میں نہیں جانتا۔ مگر تجھے میری مدد کرنی پڑے گی۔"

کرب نے اس کی نگاہ بچا کر آئینے پر نظر ڈالی۔ لِکھا تھا "اِس دیو کے فریب میں نہ آئیو۔ ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ فوراً تیر کمان میں جوڑ کر اُس کے مُنہ پہ مار۔"

کرب غازی نے اِس پر عمل کیا۔ تِیر دیو کا تالو توڑ کر گُدّی میں سے گُزر گیا۔ ایک دُھواں سا پیدا ہُوا۔ جب یہ دھواں دُور ہُوا تو دیکھا کہ وُہ بُڈّھا بیٹھا کِتاب پڑھ رہا ہے اور بُڑھیا اُسی طرح چرخا کات رہی ہے۔ آئینے نے ہدایت دی کہ بُڑھیا کا چرخا اور پیر مرد کی کِتاب اُٹھا کر حوض میں پھینک دے۔ جُونہی کرب نے ایسا کیا ایک دھماکا ہُوا۔ زمین کانپنے لگی اور سُرخ آندھی آئی۔ باغ کے

درخت اور پودے اُکھڑ اُکھڑ کر فضا میں روئی کے گالوں کی طرح اُڑنے لگے، خاصی دیر بعد یہ کیفیّت ختم ہُوئی۔ اب کرب غازی نے ایک بُلند مینار دیکھا جِس کے ساتھ لوہے کی زنجیر لٹک رہی تھی۔ کرب نے آئینے کو دیکھا۔ لِکھا تھا:

"زنجیر پکڑ کر اِس مینار پر چڑھ جا۔"

کرب غازی مینار پر چڑھا اور جب گُنبد میں داخِل ہُوا تو دیکھا کہ ایک دروازہ ہے۔ اُسے کھولا تو نیچے اُترنے کے لیے سیڑھیاں بنی ہُوئی تھیں۔ خُدا کا نام لے کر اُترا۔ مِینار کی تہہ میں ایک تخت پڑا پایا جِس پر ایک شہزادی زنجیروں میں جکڑی ہُوئی بیٹھی تھی۔ قریب ہی ایک ہیبت ناک شکل کا دیو پڑا خرّاٹے لے رہا تھا۔ کرب غازی نے شہزادی سے پُوچھا تُو کون ہے اور اِس دیو نے تجھے کِس لیے قید کیا؟ وُہ روتے ہُوئے بولی۔ "اے جوان، یہ کہانی بڑی لمبی ہے۔ تُو فوراً واپس چلا جا ورنہ یہ دیو جاگ اُٹھا تو تیرا خُون پی جائے گا۔ یہ نہ جانے کتنے آدمیوں کو اب تک ہلاک کر کے ہڑپ کر چُکا ہے۔ اِن سب کی ہڈّیاں اور

کھوپڑیاں اُس کونے میں جمع ہیں۔" کرب نے پلٹ کر دیکھا۔ واقعی مینار کے ایک گوشے میں انسانی ہڈّیوں اور کھوپڑیوں کا ایک انبار لگا تھا۔

کرب غازی نے شہزادی کو تسلّی دی اور تلوار کی نوک دیو کے گلے میں چبھوئی۔ وُہ نعرہ مار کر اُٹھا اور آدم زاد کو قریب پا کر دانت نکال دِیے گویا خُوش ہو رہا ہے۔ پھر کرب کو پکڑنے کے لیے جھپٹا۔ مگر اُس نے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ دیو کی گردن کٹ کر دُور جا گری۔ دیو کے مرتے ہی وُہ مینار دُھواں بن کر غائب ہو گیا اور وُہ شہزادی بھی دِکھائی نہ دی کہ کہاں ہے۔ تب کرب نے اپنے آپ کو ایک لمبے چوڑے قلعے میں پایا جِس میں لعل، یاقُوت، الماس اور زمرّد کے چالیس مکان بنے ہُوئے تھے۔ اِن سب مکانوں میں بے اندازہ دولت بھری ہُوئی تھی۔ کرب غازی نے آئینے میں دیکھا لِکھا تھا:

"اے کرب، تُو نے اِس طلِسم کو فتح کر لیا ہے۔ اب یہ سب مال تیرا ہے۔ تیرے ساتھی طلِسم کے باہر کھڑے اِنتظار کر رہے ہیں۔"

اِتنے میں فتّاح، ہام اور سام اپنے لشکروں کو لے کر وہاں آئے۔ کرب غازی کو

مبارک باد دی۔ پھر یہ سب مال اُونٹوں پر لادا اور شہر اندرُوس میں آن کر معرُوف شاہ کو دیا۔ وُہ بے حد خُوش ہُوا کہ میرے نواسے نے اِتنا بڑا طِلِسم فتح کر لیا۔ اِس خُوشی میں کئی دِن تک غریبوں اور مسکینوں کو کھانے کھلائے گئے اور خیرات بانٹی گئی۔

اُدھر قلعۂ حلب پر ظاہر شاہ کی فوجوں کا دباؤ۔ روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ آخر لِندھور نے آن کے اُسے شکست فاش دی۔ عَلَم شاہ کا زخم بھر چُکا تھا لیکن اُسے یہ معلوم کر کے سخت صدمہ ہُوا کہ سُلطان سعد اور پیر فرخاری ہیکلان کی قید میں آ گئے ہیں۔ اُس نے کئی مرتبہ اِرادہ کیا کہ سعد کو جا کر رہا کرایا جائے لیکن لِندھور نے جانے نہ دیا اور کہا کہ اُن کی کیا مجال ہے جو سعد کو کوئی تکلیف دے۔ وُہ عنقریب رہا ہو کر آ جائے گا اور ایسا ہی ہُوا۔ چند دِن بعد امیر حمزہ کی طرف سے قاصد آیا اور اُس نے یہ خُوش خبری سُنائی کہ سعد اور پیر فرخاری آزاد ہو کر واپس آ گئے ہیں۔ یہ سُن کر عَلَم شاہ اور لِندھور نے شُکر کا کلمہ پڑھا۔

اُدھر ہیکلان کے پاس نوشیر واں کا خط مدد کے لیے پُہنچ چُکا تھا۔ اُس نے اپنے بھائی سکندر کو حکم دیا کہ فوراً نوشیر واں کی مدد کو پُہنچے۔ سکندر ایک لشکرِ جرّار ساتھ لے کر چلا۔ راستے میں تمام سلطنتوں اور حکومتوں کو بھی مجبور کیا کہ وُہ اپنی اپنی فوجیں سکندر کے سپرد کر دیں تا کہ لشکر کی تعداد زیادہ ہو جائے۔ اِسی مقصد کے لیے اندرُوس کے حاکم معرُوف شاہ کے پاس بھی سکندر کا خط آیا۔ جِس میں لکھا تھا کہ امیر حمزہ اور اُن کے ساتھیوں نے شہنشاہ نوشیر واں کو بُہت پریشان کیا ہے، اب اُن کی حرکتیں حد سے بڑھتی جا رہی ہیں۔ نوشیر واں نے ہیکلان سے مدد طلب کی ہے اور ہیکلان نے مجھے سپہ سالار بنا کر روانہ کیا ہے۔ لہٰذا تجھ پر بھی لازم ہے کہ اپنے لشکر سمیت میرے ساتھ شامِل ہو۔ سکندر کا یہ خط کمیل نام کا ایک زبردست پہلوان لے کر آیا تھا۔ وُہ معرُوف شاہ کے دربار میں آیا اور دُعا سلام کیے بغیر یہ خط معرُوف شاہ کو دِیا۔ وُہ پڑھنے میں مشغول ہُوا اور اِدھر کمیل پہلوان کرب غازی کی کُرسی پر جا بیٹھا۔ کرب شکار کھیلنے جنگل میں گیا ہُوا تھا۔ اِس دوران میں وُہ بھی واپس آ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ میری کُرسی پر ایک اور شخص بیٹھا ہے اور معرُوف شاہ

نہایت پریشانی کے عالم میں کوئی خط پڑھ رہا ہے۔

کرب غازی نے کمیل پہلوان سے کہا "اے شخص، تُو کون ہے کہ بہادروں کی جگہ پر یُوں بے خوف بیٹھا ہے؟"

اس نے کرب غازی کو حقارت سے گھُورا۔ پھِر ہنس کر بولا "اے لڑکے، ابھی تیرے دُودھ کے دانت بھی نہیں ٹوٹے۔ کیا تجھے موت کا ڈر نہیں؟ خبر دار اگر آیندہ ایسا کلمہ مُنہ سے نِکالا تو زبان کاٹ ڈالوں گا۔"

تب کرب کا چہرہ غُصّے سے لال ہو گیا اور کہنے لگا "اے بد بخت اگر تُو اس وقت بادشاہ کے دربار میں نہ ہوتا تو چھَٹی کا دُودھ یاد دِلا دیتا۔ اب زیادہ بد زبانی نہ کر اور چُپ چاپ میری کُرسی پر سے اُٹھ جا ورنہ ہاتھ پکڑ کر اُٹھا دوں گا۔"

یہ سُنتے ہی کمیل پہلوان طمانچہ مارنے کے لیے آگے بڑھا۔ مگر کرب غازی نے پہلے ہی اُچھل کر ایسا طمانچہ کمیل کے گال پر مارا کہ پانچوں اُنگلیوں کا نِشان اُبھر آیا اور طمانچے کی آواز سارے دربار نے بخوبی سُنی۔ اب تو کمیل پہلوان

کے طیش کی اِنتہا نہ رہی۔ خنجر نِکال کر کرب غازی پر حملہ کیا۔ اُس نے وار بچایا اور اُچھل کر ایسی دولتّی ماری کہ کمیل پٹخنیاں کھاتا ہُوا دُور جا گرا۔ کرب غازی چیتے کی طرح لپکا اور کمیل کے سینے پر بیٹھ کر اُس کی گردن دونوں ہاتھوں میں دبا کر اِتنا زور لگایا کہ اُس کا دم نِکل گیا۔

تمام دربار میں سنّاٹا چھا گیا۔ لوگ خوف سے کانپنے لگے۔ کمیل پہلوان کے ساتھ چند سپاہی بھی آئے تھے۔ وُہ بھی دربار میں ایک طرف کھڑے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب کمیل پہلوان مر چُکا تو وُہ سپاہی خوف زدہ ہو کر بھاگے اور سکندر کو خبر کی۔ اور کہا کہ یہ وہی کرب غازی ہے جِس نے فتّاح کو زیر کیا اور پھِر ہیکلان کی بیٹی گُل چہرہ کی شادی اُس کے ساتھ کر دی۔ اُسی نے کرب نوس عاد کا طلِسم فتح کیا اور تمام مال دولت سمیٹ کر لے گیا۔

سکندر ہیکلان نے یہ باتیں سُنیں تو اُس کے تلوؤں میں آگ لگ گئی اور کھوپڑی تک پہنچی۔ نعرہ مار کر کھڑا ہُوا اور کہنے لگا، اِس چھوکرے کی یہ مجال کہ ہمارے قاصِد کو ہلاک کرے۔ میں ابھی اندرُوس جا کر معرُوف شاہ کر تہس

نہس کرتا ہُوں۔ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجاتا ہُوں۔ کِسی کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔

یہ کہہ کر فوج کو کُوچ کا حکم دیا۔ اُدھر معرُوف شاہ کو جاسوسوں نے اِطّلاع دی کہ سکندر غیظ و غضب کی تصویر بنا آتا ہے۔ معرُوف شاہ نے فوراً کرب غازی کو اپنے پاس بُلایا اور کہا:

"بیٹا، اِس وقت مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ تُم شکار کے بہانے شہر سے نِکل کر جنگل میں چلے جاؤ۔ سکندر ہیکلان بُہت طیش میں ہے۔ اِس وقت اُس سے مُقابلہ کرنے میں ہمارا نقصان ہے۔"

کرب غازی ہنس کر کہنے لگا۔ "نانا جان، آپ خواہ مخواہ ڈرتے ہیں۔ ایک سکندر کیا ہزار سکندر ہوں تب بھی میں اُن کے سامنے ڈٹ جاؤں گا اور کبھی مُنہ نہ موڑوں گا۔"

معرُوف نے بُہت مِنّت سماجت کی تو کرب غازی مجبور ہُوا اور شکار کھیلنے جنگل

میں چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد معرُوف شاہ اپنے لشکر کو لے کر نِکلا اور سکندر رہیکلان کا اِستقبال کِیا۔ اُس نے معرُوف شاہ کو دیکھتے ہی للکار کر کہا:

"او بدبخت، تُو نے ہمارے قاصِد کو کیوں قتل ہونے دِیا۔ اُسے بچانے کی کوشِش کیوں نہ کی۔"

معرُوف شاہ نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ "جنابِ والا، میں آپ کا غُلام ہُوں۔ بے شک یہ جُرم ایسا ہے کہ میری گردن اُڑا دی جائے لیکن یہ واقعہ ایکا ایکی پیش آیا اور میں زبان بھی نہ ہلا سکا۔"

یہ سُن کر سکندر کا غُصّہ کُچھ دھیما پڑا۔ کہنے لگا۔ "اچھّا، ہم تجھے معاف کرتے ہیں مگر اُس چھوکرے آفت کے پر کالے کرب غازی کو فوراً ہمارے سامنے حاضر کرو۔ میں اُسے اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ اِس کے بعد وُہ تمام مال دولت میرے حوالے کر جو وُہ طِلسم کرب نوس عاد سے لُوٹ کر لایا ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ میری بھتیجی شہزادی گُل چہرہ بھی اِسی شہر میں موجُود ہے۔ فوراً اُسے بھی حاضِر خدمت کر۔"

معرُوف شاہ نے گردن جھُکا کر جواب دِیا۔ ”جنابِ والا، کرب غازی میرا نواسا ضرور ہے مگر اُس کی حرکتوں سے میں خود بھی پریشان ہُوں۔ ہر چند سمجھاتا ہُوں مگر کوئی نصیحت اُس کی کھوپڑی میں نہیں سماتی۔ قِصّہ یہ ہے کہ جِس روز اُس نے آپ کے قاصد کمیل پہلوان کو قتل کیا، اُسی روز آپ کے خوف سے اپنا تمام مال اسباب، فتّاح اور شہزادی گُل چہرہ کو لے کر اپنے باپ کے پاس چلا گیا۔ آپ کو معلُوم ہو گا کہ اُس کے باپ کا نام عادی پہلوان ہے۔ اور عادی امیر حمزہ کا دودھ شریک بھائی اور اُس کے لشکر کا سپہ سالار ہے۔“

”خیر، میرے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا۔“ سکندر نے کہا ”میں امیر حمزہ کے لشکر میں جا کر اُسے موت کے گھاٹ اُتاروں گا۔ اب تُو تیّار ہو جا اور میرے ساتھ چل۔“

معرُوف شاہ میں اِنکار کی جرأت نہ تھی۔ کان دبا کر چُپ چاپ سکندر کے ساتھ شامل ہو گیا لیکن موقع پا کر ایک آدمی کے ذریعے کرب غازی کے پاس خط بھیج دیا کہ میں سکندر کے ساتھ جاتا ہُوں، تُو اپنی حفاظت کرتا رہیو۔ جب

یہ تحریر کرب غازی کے پاس پہنچی تو وُہ نہایت پریشان ہُوا۔ اندرُوس میں واپس آکر اپنی فوج بھرتی کی اور تیس ہزار سوار اپنے ساتھ لے کر تیز رفتاری سے امیر حمزہ کے لشکر کی جانب روانہ ہُوا۔ چلتے وقت وزیروں سے کہہ گیا کہ میرے جانے کے دو دِن بعد طلِسم کرب نوس کا تمام مال اُونٹوں پر لدوا کر امیر حمزہ کے پاس بھجوا دیا جائے۔

اگرچہ کرب غازی کئی روز بعد اندرُوس شہر سے روانہ ہُوا تھا مگر اِتنی تیز رفتاری سے گیا کہ سکندر کے لشکر کو پا لیا۔ آدھی رات کے بعد اچانک اُس کی فوج پر شب خُون مارا اور پو پھٹنے سے پہلے پہلے بیس پچیّس ہزار سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر جنگل میں جا چھُپا۔ جاسوسوں نے سکندر کو بتایا کہ یہ شب خُون امیر حمزہ کے کِسی پہلوان نے اُنہی کی اِجازت سے مارا ہے۔ یہ سُن کر سکندر کہنے لگا کہ میں نے تو یہ سُنا تھا کہ حمزہ بُہت بہادر ہے مگر اب پتا چلا کہ یہ غلط تھا اگر وُہ دلیر ہوتا تو آدھی رات کے وقت چوروں کی طرح چھُپ کر مجھ پر حملہ نہ کرتا۔ اُس نے اپنے لشکر کا معائنہ کِیا دیکھا کہ جتنے سپاہی مارے گئے ہیں

یا زخمی ہوئے ہیں سب اپنے ہی ہیں۔ دُشمن کا ایک سپاہی بھی اِن میں شامل نہیں۔

اگلے روز پر کرب غازی اپنے لشکر کو لے کر آیا اور شب خُون مارا۔ سکندر ہیکلان کے سات ہزار آدمی مارے گئے اور کرب غازی کے آدمیوں میں سے کِسی

ایک کی نکسیر بھی نہ پھُوٹی۔ یہ ماجرا دیکھ کر سکندر نے گلیم گوش عیّار کو بُلایا اور حکم دیا کہ دُشمن کی خبر لاؤ۔ گلیم گوش عیّار نہایت ہوشیار اور چالاک آدمی تھا۔ فوراً روانہ ہُوا۔ اتفاقاً اُس روز کرب غازی ایک درخت کے سائے میں پڑا سو رہا تھا اور اُس کے ہمراہی اپنے ہتھیار صاف کر رہے تھے اور کُچھ دھوپ میں بیٹھے سستا رہے تھے۔ گلیم گوش یہ سب حالات دیکھ گیا اور سکندر کو خبر دی کہ فلاں مُقام پر دُشمن کا لشکر ٹھہرا ہُوا ہے اور اِس وقت سب غافل پڑے ہیں۔ سکندر نے اپنے سرداروں اور پہلوانوں سے مشورہ کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ اِس جنگل میں آگ لگا دی جائے اور ہماری فوج جنگل کا مُحاصرہ کر لے تا کہ

دُشمن اگر آگ سے بچ کر نِکل آئے تو ہماری تلواریں اُس کا خُون چاٹنے کو تیّار ہُوں۔

سکندر کو یہ تدبیر پسند آئی۔ اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ جنگل میں آگ لگا دی جائے۔ آگ کے شُعلے بُلند ہُوئے تو فتّاح نے غازی کو جگایا۔ وُہ فوراً ہتھیار بدن پر سجا کر گھوڑے پر سوار تھا اور لشکر کو حکم دیا کہ آگ کی پروانہ کرو اور خُدا کو یاد کرتے ہوئے جنگل سے نِکل پڑو۔ اُس کے فوجیوں نے ایسا ہی کیا اور جلتی آگ میں کُود کر زندہ سلامت نِکل گئے۔ مگر سکندر گھیرا ڈالے ہوئے چوکنّا تھا۔ اُس نے کمیل پہلوان کے بھائی کفیل کو اُس فوج کا سالار بنایا تھا جو کرب غازی سے مُقابلے کرنے والی تھی۔

اِتّفاق ایسا ہُوا کہ سب سے پہلے کفیل کا سامنا کرب غازی ہی سے ہُوا۔ اُس نے آناً فاناً کفیل کو قتل کر دیا اور اس کے بُہت سے سپاہیوں کو بھی خاک و خُون میں تڑپایا۔ کفیل کے مرنے کی خبر سکندر کو پہنچی تو حیرت سے دانتوں میں اُنگلی دبالی اور کہنے لگا:

”معلُوم ہوتا ہے حمزہ کے آدمی گوشت پوست کے بجائے فولاد کے بنے ہُوئے ہیں۔ اِن پر آگ اثر کرتی ہے نہ پانی۔ اُنھوں نے میرے ہزاروں سپاہیوں اور پہلوانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا اور اِن کا ایک آدمی بھی زخمی نہ ہُوا۔ اگر حالات یہی رہے تو حمزہ کا مُقابلہ کیوں کر مُمکن ہو گا۔“

یہ سوچ کر اُس نے اپنے بھائی ہیکلان کو خط لکھا کہ ”حمزہ کے آدمیوں نے شب خُون مار مار کر مجھے سخت بد حواس کر دیا ہے۔ اِن لوگوں پر کوئی حربہ اثر نہیں کرتا۔ آپ کا نہایت کرم ہو گا اگر خُداوندِ ثمرات کا تخت میرے پاس بھجوائیں۔ مُمکن ہے خُداوند کے قدموں کی برکت سے میں دُشمن پر قابو پا لُوں۔“

ہیکلان نے یہ خط پڑھا تو بُہت تعجّب کِیا کہ حمزہ جیسا بہادر اور یوں چھُپ کر حملے کرے۔ پھِر وُہ خُداوندِ ثمرات کے باغ میں گیا اور بُت کے آگے گردن جھُکا کر سب ماجرا بیان کیا۔ بُت کے اندر سے آواز آئی۔ ”اے ہیکلان، اگر تُو مجھے سکندر کے پاس بھجوا دے تو میں حمزہ کے لشکر کو تہس نہس کر دُوں گا اور پھر

اُسے شب خُون مارنے کا حوصلہ نہ ہو گا۔"

ہیکلان نے خُداوندِ ثمرات کے بُت کو سکندر کی طرف روانہ کر دیا۔ جِس روز خُداوندِ ثمرات سکندر کے لشکر میں آیا، اُسی روز کرب غازی نے پھِر شب خُون مارا اور اِس شدّت سے قتلِ عام کیا کہ سکندر بڑی مُشکل سے اپنی جان سلامت لے کر بھاگا۔ کرب غازی اپنے نانا معرُوف شاہ اور اپنے ماموؤں ہام اور سام کو ساتھ لے گیا۔

جب کرب غازی اپنی فوج لے کر چلا گیا تب سکندر واپس آیا اور محلول عاد پہلوان کو حکم دیا کہ دُشمن کا پیچھا کر اور معرُوف شاہ کو چھُڑا کر لے آ۔ محلول عاد بڑا جی دار آدمی تھا۔ اُس نے پانچ ہزار سپاہی اپنے ہمراہ لِیے اور کرب غازی کے تعاقُب میں روانہ ہُوا۔ اُدھر جاسوسوں نے کرب غازی کو خبر دی کہ محلول عاد آپ کے نانا کو رہا کرانے آیا ہے۔ یہ سُن کر کرب غازی ہنسا اور اپنی فوج سے کہنے لگا۔ "کیا تُم لوگ یہیں ٹھہرو، میں اکیلا محلول کے مُقابلے میں جاتا ہُوں۔" گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہُوا واپس گیا اور پُکار کر کہا:

”اے محلول، بہتر یہ ہے کہ تُو میرے مُقابلے میں آ۔ اگر تُو نے مجھ پر فتح پالی تو وعدہ کرتا ہُوں کہ آئندہ سے سکندر پر شب خُون نہ ماروں گا۔“

یہ سُن کر محلول میدان میں آیا۔ دیکھا کہ بارہ چودہ برس کا ایک لڑکا گھوڑے پر سوار تلوار اور ڈھال ہاتھوں میں سنبھالے مُسکرا رہا ہے۔ وُہ حیران ہُوا اور کہنے لگا:

”معلُوم ہوتا ہے حمزہ بھی کوئی مسخرا ہے۔ اِس لڑکے کو میرے مُقابلے میں بھیجا ہے۔ اگر یہ میرے ہاتھ سے مارا گیا تو لوگ کہیں گے کہ محلول پہلوان نے ایک لڑکے کو مار کر کون سی بہادُری دِکھائی۔“

”اے پہلوان زیادہ باتیں مت بنا اور وقت ضائع نہ کر۔“ کرب غازی نے کہا۔ ”تجھ جیسے پہلوانوں کے لیے مجھ سے لڑکے ہی کافی ہیں۔“

اب تو محلول صبر نہ کر سکا۔ آگے بڑھ کر اپنا گُرز کرب پر مارا۔ اُس نے ڈھال پر روکا اور جواب میں تلوار تول کر ایسا ہاتھ مارا کہ محلول کا جسم خربوزے کی

پھانک بن گیا۔ یہ دیکھ کر اُس کی فوج بھاگ کھڑی ہُوئی۔ کرب غازی اپنی فوج میں چلا آیا۔

رات کے وقت سکندر کے لشکروں نے خُوشی کے نعرے لگائے اور ہزاروں مشعلیں روشن کیں۔ کرب غازی نے اپنے جاسوسوں کو خبر لینے کے لیے بھیجا کہ معلُوم کرو اِن کی خوشی کا سبب کیا ہے۔ جاسوس خبر لائے کہ خُداوندِ ثمرات سکندر کے لشکر میں آیا ہے۔ اور یہ خُوشی اُس کی آمد کے سلسلے میں ہے۔ یہ سُن کر کرب غازی کے خُون نے جوش مارا۔ اپنی فوج کے چند دستے لے کر گیا اور سکندر پر جا گرا۔ ایسی تلوار چلائی کہ سب حواس کھو بیٹھے۔ سکندر کے بہُت سے سپاہیوں کو قتل کیا اور واپس اپنے لشکر میں آ گیا۔ تب سکندر نے خُداوندِ ثمرات کے سامنے سجدہ کیا اور فریاد کرنے لگا کہ اے خُداوند، حمزہ نے مجھے بہُت پریشان کیا ہے۔ روز شب خُون مارتا ہے اور میرے آدمیوں کو فنا کے گھاٹ اُتارتا ہے۔

خُداوندِ ثمرات نے ناراض ہو کر کہا۔ ”اے سکندر، تیری سزا یہی ہے۔ تُو نے

میری اِجازت کے بغیر سفر کیوں کیا۔ اس کا ثمر میں نے دیا ہے۔ اب سزا بھگت۔“

یہ سُن کر سکندر رونے اور گڑ گڑانے لگا۔ تب خُداوند ثمرات نے کہا۔ ”اچھّا ہم تیری خطا معاف کرتے ہیں۔ فِکر نہ کر۔ اب حمزہ ہر گز تجھ پر فتح یاب نہ ہو گا۔“

سکندر خُوش خُوش اپنے خیمے میں آیا اور سو رہا لیکن دُوسرے روز آدھی رات کو لشکر میں پھِر غُل مچا۔ معلُوم ہُوا کہ دُشمن نے شب خُون مارا ہے۔ اپنے عیّاروں کو بُلا کر کہا معلُوم کرو کہ دُشمن کِدھر سے آتا ہے اور کِدھر جاتا ہے؟ اُنہوں نے بتایا کہ مشرق سے آتا ہے اور جنوب کی جانب چلا جاتا ہے۔ سکندر جنوب کی طرف چلا۔ کرب نے اُس کے آنے کی خبر سُنی تو جلدی سے اپنے لشکر کو شمال کی طرف بھیج دیا۔ سکندر ناکام ہو کر واپس چلا گیا اور اپنے عیّاروں کو خوب مارا پیٹا کہ تُم مجھے غلط خبریں دیتے ہو۔ اِس کے بعد وُہ خُداوندِ ثمرات کے حضور میں گیا اور فریاد کی کہ دیکھیے دُشمن نے پھِر شب خُون مارا ہے اور

کئی ہزار آدمیوں کو زخمی کر کے بھاگ گیا ہے۔ خُداوندِ ثمرات کے مُنہ سے شعلے نکلے اور آواز آئی:

"اے سکندر، تُو سخت نافرمان ہے۔ بھلا کِس کی اِجازت سے امن کا پیچھا کرنے گیا تھا؟"

سکندر پھِر رونے اور معافیاں مانگنے لگا، خُداوندِ ثمرات نے کہا۔ "جب تک تُو یہاں پڑا رہے گا کہ شب خُون مارتا چلا جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ جلد نوشیرواں کی طرف کُوچ کر۔"

غرض سکندر نے ڈیرے خیمے اُٹھانے کا حکم دیا اور نوشیرواں کے مُلک کی طرف چلا۔

جب کرب غازی کو معلُوم ہُوا کہ سکندر نوشیرواں کے مُلک کی سرحد پر پہنچ گیا ہے تو اپنے دوستوں سے کہنے لگا کہ ایک آخری شب خُون مارا جائے۔ سکندر بھی کیا یاد کرے گا کہ کِس سے پالا پڑا ہے۔ اِس مرتبہ اِتّفاق سے خُود

سکندر کرب غازی کی تلوار کی زد میں آگیا اور سر پر زخم کاری کی تلوار کی زد میں آگیا اور سر پر زخم کھا کر بھاگا۔ کرب واپس چلا آیا۔

نوشیرواں کو سکندر کے آنے کی خبر پہنچی۔ اُس نے خواجہ بزُرجمہر اور بختک وغیرہ کو استقبال کے لیے روانہ کیا۔ عُمرو عیّار کو بھی معلُوم ہُوا۔ وُہ شکل بدل کر آیا اور سکندر کی بارگاہ میں جا کھڑا ہُوا۔ سکندر نے خواجہ بزُرجمہر اور بختک کی تعظیم کی پھِر باتوں باتوں میں کہا:

"اے خواجہ بزُرجمہر، میں نے سُنا تھا حمزہ بڑا بہادُر ہے مگر یہ کون سی بہادری ہے کہ شہر اندرُوس سے لے کر یہاں تک اُس نے میری فوج پر تیس شب خُون مارے ہیں اور کل رات مجھے بھی اس کے ایک سپاہی نے زخمی کیا ہے۔"

یہ سُن کر خواجہ نے کہا۔ "اے سکندر، تجھے غلط فہمی ہُوئی ہے۔ یہ شب خُون حمزہ کے بجائے کسی اور نے مارے ہُوں گے۔ ہمارے کئی عیّار اور جاسوس روزانہ حمزہ کی بارگاہ سے خبریں بھیجتے ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ حمزہ کِسی وقت بھی اپنے لشکر سے باہر نہیں گیا۔"

اب تو سکندر کے ہوش اُڑے، اِتنے میں بختک نامُراد نے عُمرو کو دیکھا اگرچہ عُمرو بھیس بدل کر آیا تھا مگر بختک کی نگاہوں سے چھُپ نہ سکا۔ وُہ عُمرو کو دیکھتے ہی چِلاّ اُٹھا۔ ”اے سکندر، عُمرو عیّار تیری بارگاہ میں موجود ہے۔“

بختک کا یہ کہنا تھا کہ عُمرو عیّار نے چھلانگ لگائی پہلے تو بختک کے گال پر ایسا طمانچہ رسید کیا کہ دُور تک سب نے اُس کی آواز سُنی۔ پھِر سکندر کے سر سے تاج اُتار کر اُسے بھی دُھول ماری اور رفو چکّر ہُوا۔ سکندر کے غُلام اور عیّار عُمرو کو پکڑنے کے لیے دوڑے مگر وُہ کِس کے ہاتھ آتا۔ ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتا ہُوا صاف نِکل گیا اور اپنے لشکر میں جا کر امیر حمزہ سے سب حال کہا۔ وُہ حیران ہُوئے کہ آخر ایسا کون شخص ہے جو میرے نام سے سکندر کی فوج پر شب خُون مارتا رہا ہے۔

اُدھر بختک اور خواجہ بزُرجمہر سکندر کو نوشیرواں کی بارگاہ میں لائے۔ اُس نے بھی سکندر کی بُہت خاطِر تواضع کی۔

ایک دِن عُمرو عیّار صحرا کی سیر کو نِکلا۔ تھوڑی دُور چلا تھا کہ ایک پہاڑ کی گھاٹی

میں فوج کا پڑاؤ دیکھا۔ عُمرو بُہت خُوش ہُوا اور دِل میں کہا اے عُمرو چل کُچھ روز گار کا دھندا کر۔ مُمکن ہے مال ہاتھ آئے۔ دراصل یہ لشکر کرب غازی کا تھا۔ جب عُمرو وہاں آیا تو کِسی سے پُوچھا کہ کیوں بھائی، یہ لشکر کِس کا ہے؟ اُس نے عُمرو کو پکڑ کر غُل مچایا کہ میں نے چور پکڑا ہے۔ لوگ دوڑے ایک عجیب شکل و صُورت کا آدمی نظر آیا سب نے کہا۔ اِسے چھوڑ دو۔ یہ کوئی بلا ہے۔ کبھی آدمی بھی اِس صُورت کا ہُوا ہے۔ لیکن جِس شخص نے عُمرو کو پکڑا تھا، وُہ کِسی طرح چھوڑنے پر رضامند نہ ہُوا اور کہنے لگا۔ ہمارے مالِک کا حکم ہے کہ جو غیر آدمی لشکر میں آئے اُسے گرفتار کرلو۔

غرض عُمرو عیّار کو وُہ کرب غازی کے سامنے لے گیا۔ عُمرو نے دیکھا کہ ایک خوب صُورت اور ناتجربہ کار لڑکا نہایت شان و شوکت سے تخت پر بیٹھا ہے اور ایک بُڈّھا اُس کے برابر کرسی پر براجمان ہے۔ یہ بُڈّھا معروف شاہ تھا۔ نہ عُمرو نے معرُوف شاہ کو پہچانا اور نہ معرُوف شاہ نے عُمرو کو شناخت کیا۔

کرب غازی نے غور سے عُمرو کی صُورت دیکھی اور کہنے لگا "اے شخص، تجھے

قسم ہے اس ذات کی جِس نے یہ کائنات پیدا کی۔ سچ سچ بتا کہ تیرا نام کیا ہے؟"

یہ سُن کر عُمرو خُوش ہُوا کہ لڑکا خدائے واحد پر ایمان رکھتا ہے۔ اِس سے کُچھ چھپانا ٹھیک نہ ہو گا۔ مسکین شکل بنا کر کہنے لگا۔ "میاں صاحب زادے، میرا نام کیا پوچھتے ہو۔ ایک غریب آدمی ہُوں۔ میرا نام عُمرو ہے اور میں امیر حمزہ کا عیّار ہُوں۔"

یہ سُنتے ہی کرب غازی اور معرُوف شاہ اُچھل پڑے۔ کرب نے فوراً عُمرو کے ہاتھ پر بوسہ دِیا۔ اپنے پاس عِزّت سے بٹھایا اور بہُت کُچھ مال نذر کیا۔ عُمرو نے سب مال زنبیل میں ڈالا اور کرب غاری کی تعریفیں کرنے لگا۔ جب اُسے یہ پتا چلا کہ کرب غازی عادی پہلوان کا بیٹا ہے تو خُوش ہو کر غازی کو سینے سے لگا کر پیار کیا اور کہنے لگا:

"اے کرب غازی، آج سے تُو میرا بیٹا ہے، اب میں تیری عِزّت بڑھانی چاہتا ہُوں اور امیر حمزہ کو یہاں لاتا ہُوں۔"

یہ سُن کر کرب غازی نہایت خُوش ہُوا۔ عُمرو وہاں سے رُخصت ہو کر اپنے لشکر میں آیا اور سیدھا عادی پہلوان کے خیمے میں جا گھُسا۔ وُہ مسہری پر پڑا خرّاٹے لے رہا تھا اور خرّاٹوں کی آواز سارے لشکر میں گُونج رہی تھی۔ عُمرو نے لوہے کی ایک مُوگری اُٹھا کر عادی کے پیٹ پر دے ماری مگر اُس پر کُچھ بھی اثر نہ ہُوا۔ پھِر عُمرو نے رُوئی کی بتّی بنا کر اُس کی ناک میں رکھی۔ عادی نے ایسی زبردست چھینک ماری کہ عُمرو کی ٹوپی اُڑ کر خیمے سے باہر جا گری۔

"لعنت ہے ایسی نیند پر۔" عُمرو نے بڑبڑا کر کہا۔ پھِر عادی کے تلووں میں گُدگُدی کرنے لگا۔ اِس مرتبہ عادی نے ایسی لات چلائی کہ عُمرو اگر اُچھل کر ایک طرف نہ ہٹ جاتا تو اُس کی ہڈّی پسلی ایک ہو جاتی۔ آخر عُمرو نے سبز کمبل اُوڑھا اور کُود کر عادی کی چھاتی پر سوار ہو گیا۔ پھر اُس کا ٹینٹوا دبایا۔ عادی نے ایک ہولناک چیخ کے ساتھ آنکھیں کھول دیں۔ تب عُمرو نے اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ عادی ناراض ہو کر کہنے لگا:

"دیکھو بھائی عُمرو، زیادہ بدتمیزی اچھّی نہیں ہوتی۔ کیسا سُہانا خواب دیکھ رہا

تھا۔ جیسے بریانی، پُلاؤ اور قورمے کی دیگیں میرے سامنے آتی ہیں اور میں کھانے پر پِل پڑا ہُوں۔ مگر عین اُسی وقت یہ سب منظر غائب ہو جاتا ہے اور تمہاری منحوس شکل نظر آتی ہے۔"

عُمرو نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "بلّی کو خواب بھی چھچھڑوں ہی کے نظر آتے ہیں۔ اچھّا اب اُٹھ کر آدمیوں کی طرح بیٹھو۔ میں تمہیں ایک خُوش خبری سُناتا ہُوں۔"

"مر گئے خُوش خبری سُنانے والے۔" عادی نے مُنہ بنا کر کہا۔ "ضُرور کوئی مکّاری مجھ سے کرنے آئے ہو۔"

"ارے نہیں عادی بھائی، ڈرو نہیں۔ بخُدا خُوش خبری ہے اور وُہ یہ کہ تمہارا بیٹا کرب غازی یہاں سے کُچھ فاصلے پر ایک فوج لیے موجُود ہے۔ اُس نے اپنی بہادری سے دنیا میں نام پیدا کیا ہے۔ طلِسم کرب نوس عاد بھی اُسی نے فتح کیا ہے اور بے انداز مال دولت لایا ہے۔ یار، تُم تو بُہت خُوش نصیب ہو۔"

عادی پہلوان مارے خُوشی کے بے حال ہو گیا۔ عُمرو کے ہاتھ چوم کر بولا۔ ”بھائی عُمرو، میری گُستاخی معاف کر دو۔ میں نے تُم کو بُہت بُرا بھلا کہا ہے۔ اب میرے ساتھ چلو اور مجھے کرب غازی سے ملاؤ۔“

اِتنے میں امیر حمزہ بھی وہاں آ گئے۔ عُمرو نے اُنہیں سارا قِصّہ سُنایا پھر کہا کہ ”میں کرب غازی سے وعدہ کر آیا میں کہ حمزہ کو تمہارے پاس لے کر آؤں گا۔ اب تُم پر لازم ہے کہ یہ وعدہ پورا کراؤ۔“

امیر حمزہ یہ سُن کر خوب ہنسے اور بلند آواز سے کہا ”جو کوئی میری خاطر سے کرب غازی کے پاس جائے گا، اُسے میں اپنا دوست سمجھوں گا اور جو نہ جائے گا، اُسے اپنا دُشمن جانوں گا۔ وُہ میرے سپہ سالار کا فرزند ہے اور سپہ سالار بھی وُہ جو ایک زمانے سے میرا جان نثار ہے۔“

اِس اعلان پر سب چلنے کے لیے راضی ہُوئے۔ عَلَم شاہ اور لِندھور بھی وہاں گئے ہُوئے تھے۔ عَلَم شاہ کو یہ بات سخت ناگوار گُزری کہ ایک معمولی لڑکے سے مِلنے اِتنے عظیم پہلوان اور خود امیر حمزہ بھی جا رہے ہیں۔ مگر موقع دم

مارنے کا نہ تھا۔ البتّہ اُس نے عُمرو سے کہا:

"اے خواجہ، معلُوم ہوتا ہے کرب غازی سے تُم کُچھ لے کر کھا گئے ہو۔"

عُمرو نے ہنس کر جواب دیا: "اے عَلَم شاہ، حقیقت تو یہ ہے کہ کرب غازی بڑا سخی ہے۔ تیری طرح کنجوس مکھّی چُوس نہیں ہے۔ وُہ تو تیرے واسطے بھی کُچھ تُحفے لایا ہے۔"

"مجھے اُس کے تحفوں کی ضرورت نہیں۔ اپنے پاس ہی رکھے۔" عَلَم شاہ نے جل کر کہا۔

"بُہت بہتر، اگر تمھیں ضرورت نہیں تو میرے نام ہی لکھ دو۔ میں لے لُوں گا۔" عُمرو کہنے لگا۔ عَلَم شاہ نے کُچھ جواب نہ دِیا۔ اِتنی دیر میں امیر حمزہ اور دوسرے تمام لوگ کرب غازی سے مِلنے روانہ ہُوئے۔ عمرو آگے آگے چلا۔ جب پہاڑ کی گھاٹ قریب آئی۔ تب دوڑ کر گیا اور کرب غازی کو خبر کی کہ امیر حمزہ آتے ہیں۔ وُہ خُوش ہو کر معرُوف شاہ کو لے کر باہر آیا۔ دُور سے

امیر حمزہ کو آتے دیکھا تو فوراً گھوڑے سے کُود کر اُن کی طرف دوڑا اور قدموں پر گِرا۔ امیر نے سینے سے لگایا اور پیار کِیا۔ پھِر ایک ایک کر کے سب سرداروں سے مِلایا۔ جب عَلَم شاہ سے مِلنے کی نوبت آئی تو اُس نے رکاب سے پاؤں نکال کر کرب غازی کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے عَلَم شاہ کے پاؤں پر بوسہ دِیا مگر اِس سلوک پر دِل میں سخت حیران ہُوا اور اپنی ذِلّت محسوس کی۔ اِس کے بعد اُس نے سب سرداروں کو طرح طرح کے تُحفے پیش کیے۔ سب نے خُوشی خُوشی لیے۔ مگر عَلَم شاہ نے اپنے تحفے چھوئے بغیر اپنے ایک عیّار کے حوالے کر دِیے۔ اِس حرکت سے بھی کرب غازی کو دُکھ ہُوا لیکن چُپ ہو رہا۔

معرُوف شاہ نے بھی امیر حمزہ کی قدم بوسی کی۔ اُس کے بعد وُہ کرب غازی کے خیمے میں تشریف لائے۔ کئی دِن وہاں رہے۔ اِس کے بعد کرب غازی اور معرُوف شاہ کو لے کر اپنی بارگاہ میں آئے۔ ایک عالی شان کُرسی کرب غازی کے لیے رکھوانے کا حکم دیا اور اُسے نہایت محبّت سے اپنے پاس بٹھایا۔

عَلَم شاہ کو یہ بات بھی سخت ناگوار گُزری کہ کہاں ایک ادنیٰ نوکر یعنی سپہ سالار کا لڑکا اور کہاں ہم لوگ۔ لیکن زبان سے کُچھ نہ کہا۔

چند روز بعد امیر حمزہ نے سکندر کے نام ایک خط لِکھا اور بُلند آواز سے کہا۔ "کون ہے جو اِس خط کو حفاظت سے سکندر کے پاس لے جائے۔"

کرب غازی نے فوراً اُٹھ کر سلام کیا اور کہا۔

"یہ خدمت غُلام کے سپرد کی جائے تو بڑا اکرم ہو گا۔"

یہ سُن کر سب سردار ہنسنے لگے۔ امیر حمزہ نے بھی کرب غازی کی طرف کُچھ توجّہ نہ دی۔ اُنہوں نے دوبارہ پُوچھا کہ میرا خط کون سکندر کے پاس لے جائے گا؟ اِس مرتبہ پھر کرب نے درخواست کی تب عَلَم شاہ نے جھنجھلا کر کہا:

"اے لڑکے، تُو ابھی نادان ہے۔ یہ کام بڑے جان جوکھوں کا ہے۔ ذرا سوچ کر بول۔"

کرب غازی نے آگے بڑھ کر خط امیر حمزہ کے ہاتھ سے لے لیا۔ اُنہوں نے

کہا۔ ”کرب غازی، ہم تیری ہمّت سے خُوش ہوئے مگر مناسب یہ ہے کہ تُو فوج کے چند دستے اپنے ساتھ لے جا۔ میں نے سُنا ہے کہ سکندر بڑا موذی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میرے ساتھ کوئی شرارت کرے۔“

”میرے لِیے حضور کا اِقبال ہی کافی ہے۔“ کرب نے جواب دیا۔ پھر زرہ پہنی، لوہے کی ٹوپی سر پہلے رکھی، تلوار۔ ڈھال۔ کمان۔ ترکش اور خنجر جسم پر باندھے پھِر تین مرتبہ تالی بجائی۔

عَلَم شاہ نے کہا ”اے لڑکے یہاں بارگاہ میں تالیاں بجانے کا کون سا موقع ہے؟“

کرب غازی نے جواب دیا۔ ”جناب، یہ میری فوج کا دستور ہے۔ جب میں ایک تالی بجاؤں تو پانچ ہزار ہتھیار بند جوان تیّار ہوتے ہیں۔ دُوسری تالی بجاؤں تو یہ جوان گھوڑوں پر سوار ہو جاتے ہیں اور تیسری تالی بجتے ہی بارگاہ پر حاضر ہوتے ہیں۔ اب حضُور خُود بارگاہ سے باہر نِکل کر ملاحظہ فرمائیں کہ میں غلط کہتا ہُوں یا سچ۔“

سب کو بے حد تعجّب ہُوا۔ امیر نے بار گاہ کا پردہ اُٹھا کر دیکھا تو حقیقت میں پانچ ہزار ہتھیار بند سوار وہاں حاضِر تھے۔ امیر حمزہ نہایت خُوش ہُوئے اور فرمایا کہ اے کرب، اِن سب کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اُس نے کہا آپ کے حکم کی تعمیل کرنا میرا فرض ہے۔

کرب بار گاہ کے باہر آیا اور سکندر کی طرف چلا۔ اِتنے میں عُمرو عیّار بھی بھیس بدل کر نِکلا، کرب غازی سے پہلے ہی سکندر کے دربار میں جا پہنچا اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ جب کرب غازی سکندر کے لشکر سے ایک کوس دُور رہ گیا تو اپنے لشکریوں کو وہیں چھوڑا اور کہا جب میرے نعرے کی آواز تمہارے کانوں میں آئے تو تُم سب آ جانا۔ یہ کہہ کر اکیلا روانہ ہُوا۔ بار گاہِ سکندری کے نزدیک پہنچا تو طلُوع نام کے ایک پہرے دار نے روکا اور کہا اے لڑکے تُو کون ہے، کہاں سے آیا ہے۔ غازی نے جواب دِیا کہ میں امیر حمزہ کا قاصِد ہُوں۔ سکندر کے نام اُن کا خط لے کے آیا ہُوں۔ طلُوع کہنے لگا۔ "یہیں رُک پہلے میں بار گاہ میں تیرے آنے کی خبر کروں۔"

کرب غازی نے طیش میں آکر کہا۔ ”میں تیرا نوکر نہیں ہُوں کہ یہاں کھڑا رہوں۔ میں ضرور جاؤں گا۔“

اب تو طلُوع کو بھی تاؤ آیا۔ کہنے لگا۔ ”اے لڑکے ذرا مُنہ سنبھل کر بات کر۔ نہیں جانتا میں کون ہُوں؟“

کرب نے کہا ”شاید تُو مجھ کو نہیں پہچانتا کہ میں کون ہُوں۔ سُن، میرا نام کرب غازی ہے۔“

طلُوع نے غُصّے سے بَل کھا کر کہا۔ ”معلُوم ہوتا ہے تیرے سر پر بھُوت سوار ہے۔ ابھی چند لمحوں میں یہ بھُوت اُتارے دیتا ہُوں۔“

کرب نے کہا۔ ”اور میں چند لمحوں میں گُستاخی کرنے والے کی گردن اُتار لِیا کرتا ہُوں۔“

طلُوع نے جھٹ تلوار کھینچی اور کرب پر حملہ کِیا اس نے وار بچا کر دائیں ہاتھ کا ایک گھُونسا دِیا کہ طلُوع کی گردن ٹُوٹ گئی اور وُہ دھڑام سے زمین پر ِگر کر مر

گیا۔ یہ تماشا دیکھ کر دوسرے پہرے دار خوف زدہ ہو کر بھاگے اور سکندر کو خبر کی کہ کرب غازی نام کا ایک لڑکا امیر حمزہ کا خط لے کر آیا ہے اور اُس نے ہمارے سردار طلُوع کر گھُونسا مار کر مار ڈالا ہے۔ یہ سُنتے ہی سکندر آگ بگولا ہو گیا۔ کہنے لگا:

"حمزہ نے بیکار مجھے خط لِکھا ہے۔ خُداوندِ ثمرات کی قسم ہے کہ جب تک حمزہ کو باندھ کر ہیکلان کے نہ پاس لے جاؤں گا، مجھے قرار نہ آئے گا۔"

بختک نے یہ بات سُن کر کہا۔ "اے سکندر، اِس عرب کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی بہادُر اُس سے لڑنے آتا ہے تو یہ خط لکھ کر اُس پر رُعب ڈالتا ہے اور اَن دیکھے خُدا کی عبادت کرنے کو کہتا ہے۔ اُس نے کوئی دینِ اِبراہیمی بھی ایجاد کر رکھا ہے۔ اگر کوئی اِس دین پر ایمان نہ لائے تو اُسے مار ڈالتا ہے۔"

"اب حمزہ کی یہ حرکتیں نہ چلیں گی۔ میں اُسے ایسا سبق دوں گا کہ تمام عُمر یاد رکھے گا۔"

”حضور، میری رائے یہ ہے کہ حمزہ کے قاصِد کو یہاں سے ذلیل کر کے واپس بھیجیے۔“ بختک نے کہا۔

یہ بات سکندر کو پسند آئی۔ حکم دیا کہ دربار سے سب کی کُرسیاں اُٹھالی جائیں۔ صِرف پہلوان طال گرہ کی کُرسی رہنے دی جائے۔ طال گرہ سکندر کی فوج میں سب سے طاقت ور پہلوان تھا۔ کہتے ہیں کہ وُہ ایک ہاتھ سے شیر کا گلا گھونٹ کر مار ڈالتا تھا۔ سکندر کا خیال تھا کہ کرب غازی جب بیٹھنے کی جگہ نہ پائے گا تو کھڑے کھڑے خط پیش کرے گا اور یہی اُس کی ذِلّت ہے۔

جب سب کُرسیاں ہٹالی گئیں۔ تب سکندر نے حکم دیا کہ حمزہ کے قاصِد کو دربار میں بھیجو۔ کرب غازی سینہ تانے دربار میں آیا۔ اِدھر اُدھر دیکھا مگر بیٹھنے کے لیے کوئی کُرسی نظر نہ آئی۔ سکندر کے تخت کے ساتھ صندلی کُرسی بچھی تھی جِس پر طال گرد پہلوان بیٹھا تھا۔ کرب نے جاتے ہی للکار کر کہا:

”اے پہلوان، اِس کُرسی کو فوراً خالی کر دے تا کہ میں بیٹھوں۔“

طال گرد کا چہرہ غُصّے سے سُرخ ہو گیا۔ آنکھیں نِکال کر بولا۔ ”اے لڑکے، تجھے کِس بے ادب نے تعلیم دی ہے؟ کیا تُو بہادُروں کے رُتبے سے آگاہ نہیں ہے۔ تُو نہیں جانتا کہ میرا نام سُن کر پہاڑ بھی کانپنے لگتے ہیں؟“

یہ کہ کر اُس نے کرب غازی کو دھکّا دینے کی کوشِش کی مگر کرب نے اُس کا وہی ہاتھ پکڑ کر جو جھٹکا دیا تو طال گرہ پہلوان کُرسی سمیت لڑھکتا ہُوا سیڑھیوں پر گِرا اور جب اُس نے اُٹھنے کا اِرادہ کیا تُو کرب کا گھُونسا اُس کی کھوپڑی پر پڑا۔ یہ ضرب ایسی سخت تھی کہ طال گرہ کا مغز ناک کی راہ سے بہہ گیا۔

یہ دیکھ کر دربار پر ہیبت طاری ہُوئی۔ سکندر کا کلیجہ بیٹھے لگا۔ بختک نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔ سکندر سوچنے لگا کہ یہ آدمی ہے یا جِن۔ اِتنے بڑے پہلوان کو اِس آسانی سے مار لِیا۔ وُہ بولا:

”اے قاصِد، کیا حمزہ نے تجھے کُچھ ادب تمیز سِکھا کر نہیں بھیجا؟ اِس سے پہلے تُو نے ہمارے ایک پہرے دار کو ہلاک کیا اور اب اِس پہلوان کو مارا۔“

کرب نے طال گرہ کی کُرسی پر اِطمینان سے بیٹھ کر جواب دیا۔ ”اے سکندر، میں ادب تمیز سب جانتا ہُوں لیکن موقع دیکھ کر سلوک کرتا ہُوں۔ کیا تُو نہیں جانتا کہ میں کون ہُوں۔ میں ہی وُہ آدمی ہُوں جِس نے شب خُون مار مار کر تیرا ناطقہ بند کر دیا تھا۔“

عُمرو عیّار ایک غُلام کی شکل بناتے سکندر کے دربار میں موجود تھا اور سب تماشا دیکھتا تھا۔ کرب غازی کی یہ دلیری اُسے بُہت پسند آئی۔ سکندر نے حیرت سے غازی کو دیکھا اور کہنے لگا:

”اے لڑکے، تجھے دیکھ کر میری عقل چکّر میں ہے۔ اگر تُو نے ہمارے پہرے دار طلُوع اور نامی گرامی پہلوان طال گرہ کو میرے سامنے نہ مارا ہوتا تو میں تجھے جھوٹا سمجھتا۔ مگر اب تیری بات پر یقین کرتا ہُوں۔“

اِتنے میں کرب غازی نے طال گرہ کی کُرسی پر بیٹھے بیٹھے سکندر سے کہا۔ ”یہ امیر حمزہ کا خط ہے۔۔۔ دونوں ہاتھوں میں ادب سے تھام اور اِسے بوسہ دے، آنکھوں سے لگا۔ پھر پڑھ۔“

سکندر پر کرب کی کُچھ ایسی ہیبت چھائی کہ اُس نے ہر حکم کی تعمیل کی۔ جب اُس نے امیر حمزہ کا خط چُوما اور آنکھوں سے لگایا تب بختک کے دل میں حسد اور رنج کی آگ بھڑک اُٹھی۔ سکندر سے کہنے لگا۔ ''حضور، یہ آپ کیا کرتے ہیں۔ اِس چھوکرے سے ڈر گئے ؟''

''چُپ رہ بد معاش، ورنہ تیرا بھی وہی حشر کروں گا جو ابھی طال گرہ کا کر چُکا ہُوں۔'' کرب نے بختک کو تلوار دِکھاتے ہوئے کہا اور وُہ سہم کر خاموش ہو گیا۔ سکندر نے امیر حمزہ کا خط خواجہ بزُرجمہر کی طرف بڑھایا اور کہا کہ آپ بلند آواز سے پڑھ کر سُنائیے۔ بزُرجمہر نے خط سُنانا شروع کِیا:

''سکندر ہیکلان کو معلُوم ہو کہ نوشیرواں سے میرا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ میں ہمیشہ سے اُس کی عزّت کرتا آیا ہُوں اور اب بھی عزّت کرنے کو تیّار ہُوں۔ مگر وُہ دُشمنوں کے بہکانے میں آکر مجھ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ میں نے آج تک خُدا کے فضل سے ہر دُشمن کو نیچا دِکھایا ہے اور کبھی کِسی سے شکست نہیں کھائی ہے۔ اِسی طرح تُو بھی مجھ پر کبھی فتح نہ پا سکے گا۔ خُدا کی

مخلوق کو بے جا قتل کرانے سے کیا فائدہ۔ بہتر یہ ہے کہ کافروں کا مذہب چھوڑ دے اور دینِ اِبراہیمی میں داخل ہو کر ہماری امان میں آ جا۔ ہم نے تیری بہادری کی تعریف سُنی ہے، اِس لیے یہ خط بھیجتے ہیں۔ اگر تُو نے ہماری بات نہ مانی اور لڑنے پر ہی تُلا رہا تو بعد میں شکایت نہ کیجیو۔ ہم پھِر جو چاہیں گے تجھ سے سلوک کریں گے۔"

سکندر رہیکلان یہ خط سُن کر آگ بگولا ہو گیا۔ چِلّا کر بولا۔ "ختم کرو۔ مجھ میں اب اور کُچھ سُننے کی تاب نہیں۔ خُداوندِ ثمرات کی قسم ہے۔ میں حمزہ کو اِس گُستاخی کی سزا دیے بغیر نہ مانوں گا۔ مگر اِس سے پہلے ضروری ہے کہ اس کے قاصِد کو کُچھ سبق دُوں۔"

یہ کہہ کر غُلاموں کو حکم دیا کہ مُردم خور کو فوراً یہاں لاؤ۔ مُردم خور کوئی شیر یا چیتا نہ تھا بلکہ سکندر رہیکلان کے ایک بھائی کا نام تھا۔ اُسے مُردم خور یُوں کہتے تھے کہ وُہ اپنے دُشمن کو مارنے کے بعد اُس کا خُون پی جاتا تھا اور جسم کی بوٹیاں بوٹیاں کر ڈالتا تھا۔

حکم کی دیر تھی کہ مُردم خور دربار میں نمودار ہُوا۔ سُرخ چہرہ، سر پر گھنے اور اُلجھے ہُوئے بال، خُوں خوار آنکھیں، بڑے بڑے دانت۔ لوہے کی زنجیروں میں بندھا ہُوا تھا۔ ایک مرتبہ تو کرب غازی کا کلیجا بھی ہل گیا۔ غُلاموں نے مُردم خور کی زنجیریں کھول دیں اور سکندر نے کرب کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"اِس لڑکے نے مجھے بہُت ستایا ہے۔ اِسے مزا چکھا دے۔"

یہ اشارہ پاتے ہی مُردم خور غُرّاتا ہُوا کرب غازی کی طرف جھپٹا۔ بختک نامراد خُوشی سے بغلیں بجانے لگا۔ مگر خواجہ بزُرجمہر اور عُمرو عیّار نے آواز دے کر کرب کو خبر دار کیا۔ جو نہی مُردم خور نزدیک آیا اور اپنے غلیظ ناخن کرب کی گردن کی طرف بڑھائے کرب نے اُچھل کر اُس کی ناک پر ٹکّر ماری۔ مُردم خور کی نکسیر پھُوٹ گئی اور وُہ لُڑھکنیاں کھاتا ہُوا سکندر کے قدموں میں جا گرا لیکن وُہ بے حد وحشی اور قوّی آدمی تھا۔ اِس معمولی چوٹ کا اُس پر کُچھ خاص اثر نہ ہُوا۔ لوٹ پوٹ کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ پھِر جنگلی بھینسے کی

طرح ڈکراتا ہُوا آیا اور کرب غازی سے لپٹ گیا۔ دونوں میں کُشتی ہونے لگی۔ کرب غازی نے لاتیں اور گھُونسے مار مار کر مُردم خور کا حلیہ بِگاڑ دیا، اِتنا مارا کہ پوری بتّیسی باہر آ گئی۔ ایک آنکھ بھی پھُوٹ گئی اور سارا بدن خُون میں لت پت ہو گیا۔ کرب غازی کے بھی کئی زخم آئے مگر اُس نے ہمّت نہ ہاری اور آخر وقت تک مُقابلہ کرتا رہا۔ جب اُس نے دیکھا کہ مُردم خور کا دَم پھُول گیا ہے اور وُہ لڑائی سے کترا رہا ہے۔ تب کرب غازی نے ایک زبردست نعرہ مار کر اُسے کمر سے پکڑ کر اُٹھایا اور زمین پر دے مارا۔ مُردم خور کی ریڑھ کی ہڈّی ٹُوٹ گئی اور خُون کی اُلٹی کر کے اُس نے دم توڑ دِیا۔

سکندر نے جب دیکھا کہ مُردم خور کا کام تمام ہُوا تو اُس نے للکار کر اپنے سپاہیوں سے کہا کہ پکڑ لو اِس لڑکے کو، خبردار بچ کر جانے نہ پائے۔ سکندر کے ہتھیار بند غُلاموں اور سپاہیوں نے ہر طرف سے کرب کو گھیر لیا لیکن وُہ ذرا نہ گھبرایا اور نہایت دلیری سے لڑنے لگا۔ دیکھتے دیکھتے اُس نے کئی سو آدمیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ڈال دیا۔ پھِر اپنے پانچ ہزار آدمیوں کو

بلانے کے لیے خاص نعرہ لگایا۔ کرب کی آواز سُنتے ہی یہ نوجوان بلائے ناگہانی کی طرح سکندر کے سپاہیوں پر آن گرے۔ آخر سکندر کے آدمی بے تحاشا بھاگے۔ تب کرب نے اپنے آدمیوں کو بھی واپس جانے کا حکم دیا۔

اِتنی دیر میں عُمرو عیّار امیر حمزہ کے لشکر میں واپس آ چُکا تھا۔ اُس نے سب کے سامنے کرب غازی کی شجاعت اور دلیری کی بے حد تعریف کی۔ یہ بات عَلَم شاہ کو ناگوار ہُوئی۔ وُہ کہنے لگا:

"اے خواجہ، ایک معمولی سپاہی زادے کی اتنی تعریف تمہارے مُنہ سے اچھّی نہیں لگتی۔"

عُمرو نے کہا "اے شہزادے، سچ تو یہ ہے کہ حمزہ کے پورے لشکر میں کوئی دلیر ایسا نہیں جو کرب غازی کے مُقابلے کا دعویٰ کرے۔ جِس بہادری سے اُس نے طال گرہ پہلوان کو مارا ہے، وُہ بے مثال ہے۔"

عَلَم شاہ نے کوئی جواب نہ دیا اور بیزاری سے مُنہ پھیر کر بیٹھ گیا۔ امیر حمزہ البتّہ

کرب کی بہادری سے نہایت خُوش تھے۔ اِتنے میں کرب غازی بھی دربار میں داخل ہُوا۔ اُس نے آداب بجالا کر سکندر کے دربار کی تمام کیفیّت عرض کی۔ امیر نے بُہت شاباش دی۔ پھِر ہنس کر کہنے لگے:

"اے فرزند، تُم نے سکندر کی فوج پر اِتنے شب خُون مارے اور ہم سے ذکر تک نہ کِیا۔"

کرب غازی نے شرماتے ہوئے جواب دیا: "حضور یہ کون سی بڑی بات تھی جِس کا ذِکر کیا جاتا۔"

اِس جواب سے امیر حمزہ اور خُوش ہُوئے اور اُنہوں نے کرب کو اپنے لشکر کا نائب سپہ سالار مُقرّر کر دیا۔

آخری کارنامہ

کئی دِن بعد سکندر نے رات کے وقت طبلِ جنگ بجوایا۔ امیر حمزہ کے لشکر میں بھی جنگ کا نقّارہ بجا۔ صُبح کو دونوں لشکر میدان میں آئے۔ سکندر کا بیٹا فیروز سیاہ رنگ کے گھوڑے پر سوار ہو کر نمودار ہُوا اور درمیان میں کھڑے ہو کر پُکارا:

"کوئی ہے جو میرے مُقابلے میں آئے؟ آن کی آن میں دوسری دنیا کی سیر کرادُوں گا۔"

تب سُلطان سعد نے امیر حمزہ سے اِجازت لی، اور مُقابلے کو اُترے۔ فیروز نے سعد پر نیزے سے حملہ کیا۔ اُس نے ڈھال پر روکا۔ فیروز نے جھنجھلا کر تلوار

ماری۔ سعد نے خالی دی۔ پھر فیروز نے گُرز مارا۔ سعد نے ڈھال مار کر گُرز گِرا دیا۔ یہ دیکھ کر فیروز کو تاؤ آ گیا۔ اُس نے اپنی ڈھال سعد پر کھینچ ماری۔ سعد کے سر پر گہرا زخم آیا۔ اب تو وُہ بھُوکے چیتے کی طرح فیروز پر جھپٹا۔ تلوار سے اُس کے گھوڑے کی گردن اُڑادی۔ فیروز دھڑام سے نیچے گِرا۔ سعد بھی اپنے گھوڑے سے کُودا، فیروز کی کمر سے بندھی ہُوئی پیٹی تھام کر اُسے سر سے اُونچا اُٹھایا اور زمین پر دے مارا۔ فیروز کی کھوپڑی اور ہڈّیاں چُورا چُورا ہو گئیں۔

فیروز کے مرنے کا شور سکندر کی فوج میں برپا ہُوا۔ سکندر کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ فوجوں کو حکم دیا کہ سعد کو زندہ بچ کر نہ جانے دو۔ سکندر کی تمام فرج سعد پہ آن پڑی۔ سعد نے دونوں ہاتھوں میں تلواریں پکڑیں اور سرگرمی سے لڑنے لگا۔ اِدھر سے امیر حمزہ، لِندھور، عَلَم شاہ اور کرب غازی بھی اپنی اپنی فوجیں لے کر سکندر پر ٹوٹ پڑے۔ ایسی خوف ناک جنگ ہُوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ امیر حمزہ، لِندھور، عَلَم شاہ اور کرب غازی نے سکندر کی تمام فوج کو پامال کر ڈالا۔ قریب تھا کہ دُشمن ہتھیار پھینک

کر بھاگ نِکلیں کہ سکندر نے واپسی کا طبل بجوا دیا۔ اِس دوران میں سعد زخمی ہو کر گھوڑے سے گِرا۔ سکندر کے سپاہیوں نے موقع پا کر اُسے گرفتار کر لیا اور اپنے ساتھ لے گئے۔

جب دونوں لشکر اپنے اپنے خیموں میں واپس آئے تب امیر حمزہ نے سعد کو بُلایا۔ معلُوم ہُوا کہ سعد لشکر کے ساتھ واپس نہیں آیا۔ امیر حمزہ نہایت پریشان ہُوئے اور فرمایا۔ "اے عُمرو تُم جا کر سعد کو تلاش کرو۔" عُمرو بُہت سے عیّاروں کو لے کر میدان میں گیا اور سعد کو تلاش کرنے لگا۔ تمام لاشیں اُلٹ پلٹ کر دیکھ ڈالیں مگر سعد کی لاش کا کہیں نشان نہ مِلا۔ تب عُمرو نے آن کر قسم کھائی اور امیر حمزہ سے بیان کِیا کہ جو سپاہی مارے گئے ہیں۔ اُن میں سعد شامل نہیں ہے۔ معلُوم ہوتا ہے دُشمن کے ہاتھ میں پڑ گیا ہے۔ امیر حمزہ نے عُمرو سے کہا کہ اگر سعد کو سکندر نے گرفتار کر لیا ہے تو اُسے رہا کرانا تمہارا کام ہے۔ عُمرو عیّار اُسی وقت سعد کو چھُڑانے کے لیے روانہ ہُوا۔

اِدھر سعد کو زنجیروں میں باندھ کر سکندر کے سامنے پیش کیا گیا۔ سکندر نے

حکم دیا کہ فیروز کی لاش اور سُلطان سعد کو ہیکلان عاد کی خِدمت میں روانہ کرو تاکہ وُہ اِس سے اپنے بھتیجے کے قتل کا بدلہ لے سکے۔ ناشاد پہلوان پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ قیدی کو ہیکلان کے پاس لے گیا۔

چند روز بعد عُمرو عیّار بھیس بدلے ہوئے سکندر کے لشکر میں پُہنچا۔ وُہ اس وقت خُداوندِ ثمرات کے حضُور میں حاضر تھا۔ عُمرو بھی اسی باغ میں گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سونے کا ایک خوب صُورت بُت درمیان میں دھرا ہے۔ اِس پر بے شمار قیمتی جواہر اور موتی جڑے ہیں۔ عُمرو کے مُنہ میں اِتنی دولت دیکھ کر پانی بھر آیا۔ دِل میں سوچنے لگا کہ موقع پاؤں تو اِس خُداوند کو اُٹھا کر اپنی زنبیل میں ڈالوں۔

عُمرو اِنھی خیالوں میں گُم تھا کہ اس بُت میں سے آواز آئی۔ ”اے غلامو، فلاں گوشے میں سبز کپڑے پہنے جو شخص کھڑا ہے، اُسے جلد گرفتار کرو۔ یہ عُمرو عیّار ہے۔“ خُداوندِ ثمرات کی آواز سُنتے ہی غُلام دوڑے۔ عُمرو وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ تھوڑی دیر بعد پِھر باغ میں آیا۔ خُداوندِ ثمرات نے پِھر

آواز دی۔ لیکن عُمرو بچ کر نِکل گیا۔ کئی مرتبہ ایسا ہُوا۔ جب تو عمرو حیران ہو کر امیر حمزہ کی خدمت میں آیا اور سارا حال بیان کیا۔ اُنہوں نے کہا ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ اِس بُت کے اندر کوئی شیطانی رُوح چھپی ہُوئی ہے۔

اُدھر خُداوندِ ثمرات نے سکندر سے کہا۔ ''آج رات کو طبلِ جنگ بجواؤ۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ کل فتح تمہارے نام کی ہے۔''

سکندر نے خُوش ہو کر طبل بجوایا۔ امیر حمزہ کو بھی خبر ہُوئی۔ فرمایا کہ ہمارے لشکر میں بھی طبل بجایا جائے، غرض تمام رات دونوں طرف جنگ کی تیّاری ہوتی رہی۔ صُبح کو فوجیں میدان میں آئیں۔ صفیں درست ہونے لگیں۔ سکندر کے لشکر میں سے اُس کا بھانجا پرتاش عاد کیل کانٹے سے لیس ہو کر باہر آیا اور مُقابلے کے لیے للکارنے لگا۔ امیر حمزہ کے لشکر میں سے کرب غازی دھاڑتے ہوئے شیر کی مانند بر آمد ہُوا۔ پرتاش نے اُسے حیرت سے دیکھا اور کہا:

''اے جوان، اپنا نام بتا کہ میرے ہاتھ سے بے نشاں نہ مارا جائے۔''

"بہادُروں کا نام سورج کی طرح روشن ہے۔ ہم تجھے کیا بتائیں۔" کرب نے جواب دِیا۔

یہ سُن کر پرتاش عاد کو غُصّہ آیا۔ اُس نے دوڑ کر کرب کے نیزہ مارا۔ کرب نے نیزے کو نیزے پر روک کر اپنا گُرز اِس زور سے گھُمایا کہ پرتاش کا گھوڑا ڈر کر بھاگا۔ اُس نے ہر چند باگ کھینچی مگر وُہ نہ رُکا اور سیدھا خُداوندِ ثمرات کے پاس جا رُکا۔ پرتاش نہایت شرمندہ ہُوا اور خُداوند سے کہا:

"کیوں جناب، کیا میری تقدیر میں آپ نے یہی لِکھا تھا کہ یوں ذِلّت اٹھاؤں؟"

خُداوندِ ثمرات نے جواب دِیا۔ "تُو میرا خاص بندہ ہے۔ اِس وقت تُو اِس دلیری سے لڑ رہا تھا کہ بے اِختیار تجھ پر پیار آیا۔ میں نے تیری تقدیر اُلٹ دی تاکہ تھوڑی دیر میرے پاس آن کر ٹھہرے۔"

پرتاش اِس بات پر سخت ناراض ہُوا اور کہنے لگا۔ "اے خُداوند، تیری تو دِل

لگی ہُوئی اور یہاں میرا کباڑا ہو گیا۔ اب مہربانی فرما کر مجھے اِجازت دے تا کہ دُشمن سے مُقابلہ کروں۔"

"اے بے وقوف ابھی تیری تقدیر سیدھی نہیں ہُوئی۔ صبر سے کام لے ورنہ مارا جائے گا۔" خُداوند نے کہا۔

اُدھر کرب غازی نعرے پر نعرہ بُلند کر رہا تھا اور ادھر اِدھر خُداوندِ ثمرات پر تاش عاد کو جانے کی اِجازت نہیں دیتا تھا۔ اُس نے خاصی دیر بعد کہا کہ اچھّا، اب جا اور مُقابلہ کر۔ پر تاش نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا ایسا ڈرا ہُوا تھا کہ تھوڑی دُور تک تو میدان میں آیا مگر جب کرب غازی کا سامنا ہُوا تو پلٹ کر اندھا دُھند بھاگا۔ اور پھر اُسی مُقام پر جا کر ٹھہرا۔ امیر حمزہ کے لشکریوں نے قہقہے لگائے اور پر تاش ایسا شرمندہ ہُوا کہ اپنے پیٹ میں خنجر گھونپ کر مر جانے کی ٹھان لی۔ اِتنے میں خُداوندِ ثمرات نے آواز دی:

"اے پر تاش تُو میرا خاص بندہ ہے۔ کیوں پریشان ہوتا ہے۔ یہ تو میری محبّت ہے کہ تجھے دوبارہ بُلوایا۔ خیر اب کی بار مجھے سجدہ کر کے دُوسرے گھوڑے پر

سوار ہو۔ تیرا یہ پہلا گھوڑا کسی گدھے کی نسل سے ہے۔"

پرتاش عاد دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آیا۔ کرب غازی نے اُس کے وار روکتے روکتے خنجر کا ایک ہاتھ جو مارا جو کمر تک اُتر گیا۔ پرتاش گھوڑے سے زمین پر ِگرا اور دم توڑ دِیا۔ سکندر نے رنج کے مارے سر پیٹ لیا اور واپسی کا طبل بجوا دِیا۔ وُہ شام کے وقت خُداوندِ ثمرات کے پاس گیا اور رو کر کہنے لگا:

"اے خُداوند، جِس روز سے میں نے شعر اندرُوس کو چھوڑا ہے، ایک لمحے کے لیے بھی چین نصیب نہیں ہُوا۔"

"اے سکندر، ہماری آزمائش کڑی ہوتی ہے۔ صبر کر۔ تجھے میٹھا پھل مِلے گا۔"

"خُداوند، صبر کی بھی اِنتہا ہوتی ہے۔ پہلے میرا جوان بیٹا موت کے مُنہ میں گیا۔ پھِر بہادُر بھتیجا مارا گیا اور تُو ابھی تک صبر صبر کی رٹ لگائے جاتا ہے۔"

خُداوند ثمرات نے گرج کر کہا۔ ”او گُستاخ، یہ کیا بکتا ہے۔ جی چاہتا ہے، تجھے ابھی ملیامیٹ کر دُوں۔ میری آنکھوں کے سامنے سے دُور ہو جا اور کِسی اچھّے وقت کا اِنتظار کر۔“

سکندر مایوس ہو کر واپس چلا گیا اور اپنے بھائی ہیکلان کو سب حال خط میں لکھ کر روانہ کِیا۔

اب ہم یہاں کُچھ حال عامِر بن حمزہ کا بیان کرتے ہیں۔ ایک دِن وُہ شکار کھیلنے لگا۔ کُچھ لوگ اُس کے ساتھ تھے۔ ایک ہرن پر تیر چلایا وُہ زخمی ہو کر بھاگا۔ عامِر بن حمزہ اُس کے پیچھے لپکا۔ ہمراہی پیچھے رہ گئے۔ زخمی ہرن کِسی صحرا میں پہنچ کر ایک گہری کھائی میں گِر گیا۔ عامِر نے بہتیرا تلاش کیا مگر ہرن کا کہیں پتا نہ پایا۔ تھک ہار کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ سورج آسمان سے آگ برسا رہا تھا۔ چھاگل میں پانی کا ایک قطرہ نہ پایا۔ پیاس کے مارے جان لبوں پر آئی۔ لیکن اس ریگستان میں پانی کہاں مِلتا۔ عامِر پانی کی تلاش میں پاگلوں کی طرح اِدھر

سے اُدھر دوڑنے لگا۔ ایک مقام پر جھونپڑی سی دِکھائی دی۔ اُس کے اندر گیا۔ کیا دیکھتا ہے ایک ننگ دھڑنگ فقیر گھٹنوں میں سر دیے بیٹھا ہے۔ عامِر کے قدموں کی آہٹ پا کر فقیر نے گردن اُٹھائی اور پُوچھا۔

"کیوں صاحب، آپ یہاں کیسے آئے؟"

"بابا، پیاس کے مارے دم نِکلا جاتا ہے۔ یہاں کہیں کُنواں ہے؟"

فقیر یہ سُن کر ہنسا اور کہنے لگا۔ "صاحب، اِس ویرانے میں کنواں کہاں؟ ہاں، پیاس بجھنے کی ایک ہی سبیل ہے۔ اگر تُو اِنکار نہ کرے تو بیان کروں۔"

"بابا، ضُرور بیان کیجیے وُہ کیا سبیل ہے"

تب اُس فقیر نے اپنی جھولی ٹٹول کر بوٹی نِکالی اور عامِر کو دیتے ہوئے بولا۔ "اِسے کھا لے۔ تین حِصّے پیاس جاتی رہے گی۔ ایک حِصّہ باقی رہے گی۔"

عامِر نے سوچے سمجھے بغیر بوٹی کھا لی۔ کُچھ سکون ہُوا۔ چند لمحے بعد فقیر سے کہنے لگا "اے درویش، مجھے اِس وقت سخت نیند آ رہی ہے۔ دو گھڑی آرام

کرتا ہُوں۔ اِس کے بعد مجھے جگا دینا۔ پھر میں تجھے امیر حمزہ کی خدمت میں لے جاؤں گا اور وُہ تجھے بے اندازہ زر و مال عطا کریں گے۔" یہ کہہ کر عامِر وہیں لیٹ گیا اور خرّاٹے لینے لگا۔

اب سُنیے۔ وُہ فقیر اصل میں عیّار گلیم گوش تھا۔ اُس نے فوراً عامِر کو ایک سفوف سنگھا کر بے ہوش کِیا اور عیّاری کی کمبلی میں باندھ کر اپنے لشکر میں آیا۔ اُس وقت اِتّفاق سے عُمرو عیّار بھی بھیس بدل کر سکندر کے دربار میں آیا ہُوا تھا۔ اُس نے جو گلیم گوش کو دیکھا کہ کمر پر ایک بڑا پُشتارہ لادے آرہا ہے تو ہوش جاتے رہے۔ دِل میں کہا خُدا خیر کرے۔ یہ گلیم گوش کسے پکڑ لایا ہے۔ اِتنی دیر میں اُس نے سکندر کے رُوبرو پُشتارہ کھولا اور کہنے لگا:

"حضور، مجھے انعام دِلوائیے۔ ایک موٹی مُرغی پھانس کر لایا ہُوں۔ یہ امیر حمزہ کا بیٹا، شہزادہ قباد شہریار کا سگا بھائی عامِر ہے۔"

سکندر یہ دیکھ کر بے حد خُوش ہُوا۔ اپنے گلے سے قیمتی ہار اُتار کر گلیم گوش کو دیا اور حکم جاری کیا کہ اِس قیدی کو پہلے زنجیروں سے باندھو اور پھر ہوش میں

لاؤ۔

عامِر نے آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو ایک نئ جگہ پایا۔ سامنے تخت پر سکندر اور اُس کے برابر میں نوشیر واں بیٹھا تھا۔ نوشیر واں کے پیچھے بختک اور خواجہ بزُرجمہر کھڑے دِکھائی ہے۔ تب عامِر سب کُچھ سمجھ گیا۔ اُس نے اُونچی آواز سے کہا۔ ''میرا اسلام پُہنچے خواجہ بزُرجمہر کو۔''

''اے فرزند، تجھے بھی میرا اسلام ہے۔'' بزُرجمہر نے جواب دِیا۔ یہ دیکھ کر سکندر بول اُٹھا۔ ''حمزہ کے بیٹے بڑے جی دار ہیں۔ اُنہیں اپنی جان کا بالکل خُوف نہیں ہے۔''

بختک کہنے لگا: ''اے سکندر، حمزہ کا یہ بیٹا بڑا من چلا ہے۔ اِس نے بڑے بڑے کارنامے کیے ہیں۔''

''ابھی سب کُچھ معلُوم ہو جاتا ہے۔'' سکندر نے کہا۔ پھر عامِر کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''اے قیدی، اگر اپنی جان بچانے کی آرزو ہے تو خُداوندِ ثمرات کے

آگے گردن جھکا دے۔"

"خُداوندِ ثمرات اور اُس کے پرستاروں پر لعنت بھیجتا ہُوں۔" عامِر نے کہا۔

تب سکندر نے ناراض ہو کر کہا۔ "اِس بدبخت کو خُداوند کے حضور میں لے جاؤ۔ مُمکن ہے اس کا جلال دیکھ کر سجدہ کر لے۔"

ہتھیار بند سپاہی عامِر کو خُداوند ثمرات کے سامنے لے گئے۔ اس نے شکل دیکھتے ہی آواز دی۔ "اے حمزہ کے بیٹے، مجھے جلد سجدہ کر۔ پھِر دیکھ، میں تیری کتنی شان بڑھاتا ہُوں۔"

"لعنت ہے تجھ پر اور تیری دی ہُوئی شان پر اور تجھے سجدہ کرنے والے پر۔" عامِر نے کہا۔

خُداوندِ ثمرات جلال میں آیا۔ چِلاّ کر کہنے لگا۔ "اِس گُستاخ کو ابھی میرے سامنے موت کے گھاٹ اُتار دو۔"

اِس حکم پر عامِر تو بے خوفی سے مُسکراتا رہا مگر عُمرو عیّار کے پیروں تلے کی

زمین نِکل گئی۔ وُہ باغ سے نِکل کر اپنے لشکر کی جانب بھاگا۔ راستے میں عَلَم شاہ سے مُلاقات ہُوئی۔ اُس نے پُوچھا "اے خواجہ، خیر تو ہے؟" عُمرو نے کہا "خیر ہی تو نہیں ہے۔ جلد چلیے نہیں تو عامِر قتل ہُوا چاہتا ہے۔"

اب تو عَلَم شاہ بھی چوکنا ہُوا اور عُمرو کے ساتھ گھوڑا اُڑائے سیدھا خُداوندِ ثمرات کے باغ میں آیا۔ دیکھا کہ جلّاد کلہاڑا تولنے کی فکر میں ہے۔ اگر عَلَم شاہ کے پُہنچنے میں ایک ساعت کی بھی دیر ہو جاتی تو عامِر کا کام تمام ہو چُکا تھا۔

عَلَم شاہ نے جاتے ہی جلّاد کو للکارا۔ جلّاد یہ گرج سُن کر رُک گیا اور مُڑ کر عَلَم شاہ کی طرف دیکھا ہی تھا کہ اُس نے تلوار کا ہاتھ مارا۔ جلّاد کا سر کٹ کر خُداوندِ ثمرات کے قدموں میں گِرا۔ جلّاد کے قتل ہوتے ہی باغ میں بھگدڑ مچ گئی۔ سکندر کے جو سپاہی عَلَم شاہ کو جانتے پہچانتے تھے۔ اُنہوں نے رُستم آیا رُستم آیا کا غُل مچایا اور اپنے اپنے ہتھیار پھینک کر وہاں سے رفو چکّر ہُوئے۔ خُداوندِ ثمرات چیختا ہی رہا۔ مگر کِسی نے اُس کی چیخ و پُکار پر کان نہ دھرا۔

عَلَم شاہ نے جلدی سے عامِر کی زنجیریں کاٹ کر اُسے آزاد کیا اور اُسے ساتھ

لے کر اپنے لشکر میں چلا گیا۔ عُمرو عیّار نے امیر حمزہ کے سامنے سب کیفیّت بیان کی۔ وُہ نہایت خُوش ہُوئے اور عَلَم شاہ کو سینے سے لگایا۔

اُدھر سکندر کو جب اِس حادثے کی اِطّلاع مِلی تو اُس نے سر پیٹ لیا۔ اِتنے میں اُس کا بیٹا عاد وہاں آیا۔ اُس نے اپنے باپ کو غمگین پایا تو حال پُوچھا۔ اُس نے روتے ہُوئے جواب دیا۔ "اے بیٹا، تُم تو شِکار کھیلنے نِکل گئے اور یہاں یہ ستم ہُوا۔"

عاد نے کہا۔ "ابّا جان، آپ فکر نہ کریں۔ میں اِن دونوں کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

صُبح کو سکندر نے طبلِ جنگ بجوایا۔ اُدھر امیر حمزہ کے لشکر میں سے بھی نقّارے بجنے کی آواز آئی۔ پھِر دونوں لشکر میدانِ جنگ میں اُترے۔ اِتنے میں عادبِن سکندر اپنی فوج سے نِکلا۔ گھوڑے کو ایڑ لگا کر میدان میں گھُوما اور پھِر ایک جگہ رُک کر بُلند آواز سے کہنے لگا:

”اے لوگو، سُنو کہ میں وُہ بہادُر ہُوں جِس کی مثال روئے زمین پر کہیں نہیں مِلے گی۔ اگر کِسی کو قُوّت و شجاعت کا دعویٰ ہے تو میرے سامنے آئے۔ ابھی دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی ہُوا جاتا ہے۔“

وُہ دیر تک اِسی طرح کی شیخی بگھارتا رہا حتّٰی کہ عَلَم شاہ کا خُون غُصّے کے مارے کھَولنے لگا۔ زیادہ صبر کی تاب نہ رہی۔ امیر حمزہ سے اِجازت لے کر میدان میں آیا۔ عاد بن سکندر نے آہنی گُرز گھُما کر اِس زور سے عَلَم شاہ کے مارا کہ اُس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ہڈّیاں سُرمہ بن جاتیں مگر عَلَم شاہ نے ڈھال کی بجائے اپنی ہتھیلی پر یہ وار روکا۔

عَلَم شاہ کی قُوّت کا یہ عالم دیکھ کر عاد بن سکندر کا دِل بیٹھ گیا۔ کانپتے ہاتھوں سے دوبارہ گُرز اُٹھایا اور عَلَم شاہ پر حملہ کیا۔ اِس مرتبہ وُہ پیچھے ہٹ گیا اور عاد بن سکندر اپنے ہی زور میں مُنہ کے بل زمین پر گِرا۔ دونوں لشکروں کے سپاہیوں نے نعرے لگائے۔ عاد زمین سے اُٹھا۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے چنگاریاں سی اُڑ رہی تھیں۔ اِس مرتبہ اُس نے تلوار سے حملہ کیا۔ مگر عَلَم شاہ نے کُچھ

اِس انداز سے تلوار ماری کہ عاد کے ہاتھ سے تلوار نِکل کر دُور جا گری اور وُہ خالی ہاتھ میدان میں کھڑا احمقوں کی طرح آنکھیں جھپکاتا نظر آیا۔ اب عَلَم شاہ نے اُس کے برابر آن کر نعرہ لگایا اور کہا: "اے عاد، ہوشیار ہو جا کہ تیری موت آن پہنچی"۔ یہ کہہ کر گُرز مارا تو عاد کی ہڈّیاں چُور چُور ہو گئیں۔ اُس کے مرتے ہی سکندر کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اُس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ سب مِل کر عَلَم شاہ کو گھیر لو اور زندہ بچ کر نہ جانے دو۔ عَلَم شاہ پر دُشمنوں نے دباؤ ڈالا اور تلوار چلنے لگی۔ امیر حمزہ نے جو یہ حالت دیکھی تو اپنے سرداروں سمیت سکندر کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ آناً فاناً ہر طرف لاشوں کے انبار دِکھائی دینے لگے آخر سکندر نے واپسی کا طبل بجوایا۔ دونوں لشکر اپنے اپنے خیموں میں واپس آئے۔

سکندر نے اپنے بیٹے کے غم میں سیاہ لباس پہن لِیا۔ سکندر نے عاد کی لاش بھی ارغاد پہلوان کے ذریعے ہیکلان کے پاس بھجوا دی اور پیغام دِیا کہ بُہت جلد کمک بھیجی جائے ورنہ ایک روز میں بھی مارا جاؤں گا۔

اُدھر امیر حمزہ کے لشکر میں جشن منایا جارہا تھا، کہ کِسی نے سُلطان سعد کا ذکر چھیڑ دِیا۔ سب سردار اُس کی جُدائی کے سبب رونے لگے۔ عُمرو عیّار کہنے لگا: "آپ صاحبان بالکل فکر نہ کریں۔ میں جاتا ہُوں۔ اور اُس بہادر کو رہا کرا کر لے آتا ہُوں۔" یہ کہہ کر عُمرو روانہ ہُوا اور نوشیر واں کی بار گاہ میں دربان کی صُورت بن کر آیا۔ تھوڑی دیر بعد بختک کِسی ضرورت سے باہر آیا تو دربان نے اُس سے کہا:

"جناب، ذرا ایک طرف چلتے۔ مجھے علیحدگی میں آپ سے ایک ضروری بات عرض کرنی ہے۔"

بختک دربان کے ساتھ ایک گوشے میں چلا گیا۔ دربان نے جھٹ خنجر نِکال کر بختک کی توند پر رکھ دِیا اور اپنی اصلی صُورت دِکھائی۔ بختک نے جُونہی عُمرو کی صُورت دیکھی اُس کے دیوتا کُوچ کر گئے۔ سمجھا کہ آج عُمرو کی شکل میں موت کا فرشتہ نازل ہُوا۔ خوف سے ہکلاتے ہوئے بولا۔ "کیوں خواجہ صاحب، خیر تو ہے؟ مجھ بے گناہ کو خنجر سے کِس لِیے ڈراتے ہو؟"

"بے حیا، تُو ہی اِس فساد کی جڑ ہے۔ آج تیرا تیا پانچا کیے بغیر نہ مانوں گا۔ سچ سچ بتا کہ سعد کو کہاں رکھّا گیا ہے؟"

"وُہ قلعہ جلیک کوہ میں قید ہے۔ بختک نے کانپتے ہوئے بخت کو چھوڑا اور سیدھا امیر حمزہ کے پاس آکر کہا کہ سعد قلعہ جلیک کوہ میں قید ہے اور ہیکلان نے ایک بڑی فوج اُس کی حفاظت کے لیے مُقرّر کی ہے۔ امیر حمزہ نے کہا کہ کوئی بہادُر جائے اور سعد کو لے آئے۔ یہ سُنتے ہی کرب غازی نے اُٹھ کر سلام کیا اور اِجازت چاہی۔ امیر حمزہ نے بڑی خوشی سے اِجازت دی لیکن یہ بات عَلَم شاہ کو ناگوار ہُوئی۔ دِل میں کہا یہ ادنیٰ سا لڑکا روز بروز سر پر چڑھا جاتا ہے اور ہمیں نیچا دِکھانے کی فِکر میں رہتا ہے۔ واپس آئے تو اسے ایسی سزا دُوں کہ تمام عُمر یاد رہے۔

کرب غازی نے تیس ہزار ہتھیار بند سوار اپنے ساتھ لیے اور قلعہ جلیک کوہ کی طرف چلا۔ جب رات ہُوئی تو عَلَم شاہ کو حسد کی آگ نے بے چین کیا۔ بِستر سے اُٹھا، کپڑے پہنے، گھوڑے پر سوار ہُوا اور کرب غازی کے تعاقب میں

روانہ ہُوا لیکن اِتّفاق سے راستہ بھُول کر کِسی اور طرف بجا نِکلا۔

اُدھر ہیکلان کے حکم سے پہلوان ارغاد بھی اپنے لشکر کے ساتھ قلعہ جلیک کوہ کی طرف جا رہا تھا۔ اُس کے جاسوسوں نے کہا کہ اے پہلوان، ذرا ہوشیار رہنا۔ تمہارے پیچھے کئی ہزار سپاہی آتے ہیں۔ ارغاد پہلوان کی سِٹّی گُم ہُوئی۔ موت کا فرشتہ سر پر منڈلاتا نظر آیا۔ آدھی رات کے وقت کرب غازی نے زبردست شب خُون مارا۔ دوپہر تک تلواریں خُون میں نہاتی رہیں۔ جب مشرق سے سُورج نے سر نِکال کر دیکھا تو عجب تماشا نظر آیا۔ ارغاد کی فوج کا کوئی سپاہی زندہ نہ بچا تھا۔ اور ارغاد کا یہ حال ہُوا کہ ہاتھ کہیں پڑا تھا اور پاؤں کہیں۔ گھوڑوں نے جِسم کو کُچل کر قیمہ بنا دیا تھا۔

جب کرب غازی قلعے کے قریب پُہنچا تو معلُوم ہُوا کہ ناشاد پہلوان نے حفاظت کا بڑا سخت انتظام کر رکھا ہے۔ قلعے کے چاروں طرف تیس ہاتھ گہری اور سو ہاتھ چوڑی خندق پانی سے لبالب بھری ہُوئی ہے اور پُل اُٹھا لیے گئے ہیں۔ کرب نے ساتھیوں سے کہا پُل کے بغیر خندق کو پار کرنا مُمکن نہیں ہے۔

قلعے پر کیوں کر قبضہ کیا جائے؟ تاہم اُس نے سب کو چوکنّا رہنے کی تاکید کی اور کہا کہ ہوشیار رہنا نہایت ضُروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ رات کے اندھیرے سے فائدہ اُٹھا کر ناشاد پہلوان سعد کو لے کر کہیں اور نِکل جائے اور ہم خالی ہاتھ واپس جائیں۔ سپاہیوں نے عرض کِیا کہ آپ بے فکر رہیں۔ قلعہ سے باہر ایک مکھّی بھی ہماری نظروں سے بچ کر نہیں جا سکتی۔

اب کُچھ عَلَم شاہ کا حال سُنیے کہ راستہ بھُولنے کے بعد اُس پر کیا گُزری۔

ایک ہولناک بیابان میں پہنچ کر عَلَم شاہ کو اِحساس ہُوا کہ وُہ راستہ بھُول گیا ہے۔ اِس اثنا میں رات بھی سر پر آ گئی۔ اب تو بُہت پریشان ہُوا۔ ایک جگہ رُک کر آہ و زاری میں مصرُوف ہُوا۔ روتے روتے نیند آ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ نُورانی شکل کے ایک بزُرگ کہہ رہے ہیں۔ "اے عَلَم شاہ، تُو نے کرب غازی سے حسد کیا۔ تجھے اِسی کی سزا خُدا نے دی ہے۔ بہتر ہے کہ پر حسد اپنے دِل سے نِکال دے ورنہ ساری عُمر اِسی بیابان میں بھٹکتا پھِرے گا اور

یہاں سے نکلنے کی راہ نہ پائے گا۔

عَلَم شاہ نے بزُرگ کے قدموں پر سر رکھا اور کہا۔ حضرت، میں اپنی غلطی پر پشیمان ہُوں۔ آج سے کرب غازی کو اپنے سگے بھائی کے برابر سمجھوں گا۔ یہ اِقرار کیا تو بزُرگ نے عَلَم شاہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا ہم تُم سے خُوش ہیں۔ اِس کے بعد عَلَم شاہ کی آنکھ کھُل گئی۔ دیکھا کہ وُہ بیاباں غائب ہے اور سامنے ایک عظیم قلعے کے آثارِ نظر آتے ہیں۔ عَلَم شاہ نے خُدا کا شُکر ادا کِیا جب قریب پہنچا تو مشعلوں کی روشنی نظر آئی اور بہُت سے سپاہی چلتے پھِرتے دِکھائی دیے۔ عَلَم شاہ سمجھ گیا کہ یہ کرب غازی کا لشکر ہے جو قلعے کا مُحاصِرہ کیے ہُوئے ہے۔ تب اُس نے ایک سپاہی سے پُوچھا کہ کرب غازی کہاں ہے؟ اِتّفاق سے غازی کُچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔ اُس نے عَلَم شاہ کی آواز پہچان لی۔ بے اِختیار دوڑتا ہُوا آیا اور عَلَم شاہ کے ہاتھوں پر بوسہ دے کر بولا:

"بھائی جان، آپ کیسے تشریف لائے؟ خیر تو ہے؟"

"اے بھائی، کُچھ پُوچھو نہیں۔ میں اپنی نادانی پر پشیمان ہو کر آیا ہُوں۔ میں

تمھیں اچھّا نہ سمجھتا تھا اور کئی بار تمہارا دِل دُکھایا۔ اِس کی سزا مجھے خُدا نے دی۔ اب تُم بھی مجھے معاف کر دو۔" یہ کہہ کر کرب غازی کو سِینے سے لگا لِیا اور رونے لگا۔

جب دونوں کے دِل صاف ہو گئے تو عَلَم شاہ نے پُوچھا کہ قلعہ فتح ہونے میں کیا دیر ہے؟ کرب غازی نے بتایا کہ ناشاد پہلوان نے اپنے بچاؤ کا ہر طرح اِنتظام کر رکھّا ہے۔ قلعے پر دھاوا بولنے کا کوئی راستہ سُجھائی نہیں دیتا۔ عَلَم شاہ نے کہا فِکر نہ کرو، خُدا مالک ہے۔ وُہ ضُرور کوئی تدبیر سجھا دے گا۔

اُدھر امیر حمزہ کے لشکر میں عَلَم شاہ کے غائب ہو جانے کا غُل مچا۔ امیر حمزہ نے خیال کیا کہ کرب غازی سے مُقابلہ کرنے نہ نِکل گیا ہو۔ گھبرا کر کہنے لگے۔ کوئی بہادُر جائے اور دونوں کو لڑنے سے باز رکھے۔ یہ سُن کہ عامِر بارہ ہزار سوار لے کر قلعۂ جلیک کوہ پر آیا۔ دیکھا کہ عَلَم شاہ یہاں موجود ہے اور کرب غازی سے گہری دوستی ہو چُکی ہے۔ عامِر کے آنے سے اِن دونوں کو بے حد خُوشی ہُوئی۔

دو مہینے تک قلعے کا مُحاصرہ جاری رہا۔ اِس دوران میں قلعے کے اندر خوراک کے ذخیرے ختم ہو گئے اور ناشاد کی سپاہ بھُوکی مرنے لگی۔ تب اُس نے فصیل پر سفید جھنڈا لہرایا۔ تھوڑی دیر بعد خندق پر پُل ڈالا گیا۔ قلعہ کا دروازہ کھُلا اور ایک سپاہی کرب غازی کے لشکر کی طرف آتا دِکھائی دیا۔ اُس نے ناشاد پہلوان کا پیغام دِیا کہ ہم اِس شرط پر ہتھیار ڈالنے کے لیے تیّار ہیں کہ ہمارے کِسی آدمی کو قتل نہ کیا جائے۔ سُلطان سعد خیریت سے ہے اگر آپ کو یہ شرط منظور ہے تو اُسے ابھی یہاں بھیج دیا جائے گا۔

کرب غازی نے عَلَم شاہ اور عامِر کے مشورے سے یہ شرط منظور کی۔ ناشاد پہلوان نے قلعے کے سب دروازے کھلوا دیے۔ کرب غازی کی فوج نے قلعے پر قبضہ کر کے اپنا جھنڈا لہرا دِیا۔ سُلطان سعد سے مُلاقات ہُوئی۔ وُہ کرب غازی، عَلَم شاہ اور عامِر کو دیکھ کر جشن منانے کا حکم دیا۔

اُدھر ہیکلان کو کِسی نے خبر دی کہ ناشاد پہلوان نے نہ صِرف ہتھیار ڈال دِیے ہیں بلکہ دو ہزار سپاہیوں سمیت دینِ ابراہیمی میں داخل ہو گیا ہے۔ یہ خبر سُن

کر ہیکلان کے غم و غُصّہ کی حد نہ رہی۔ فوراً سکندر کے پاس اسّی ہزار فوج کی کمک، روانہ کر کے حکم دیا کہ قلعۂ جلیک کوہ پر حملہ کرو اور اُسے دوبارہ اپنے قبضے میں لاؤ۔

سکندر نے کوچ کی تیّاری کی۔ پھر خُداوندِ ثمرات کے پاس جا کر خوب رویا پیٹا اور کہنے لگا کہ اے خُداوند، جس روز سے میں یہاں آیا ہُوں، ایک لمحے کے لیے بھی رنج و غم سے فرصت نہ مِلی۔ ثمرات نے کہا۔ اے بے وقوف، اگر تُو پہلے ہی ہم سے مشورہ کر لیتا تو یہاں تک نوبت نہ پہنچتی۔ بہر حال تھوڑی سی تکلیف اور باقی ہے، اِسے کِسی نہ کِسی طرح سے برداشت کر لے۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ عُمرو عیّار بھیس بدلے ہُوئے وہاں آیا۔ اُسے دیکھتے ہی خُداوندِ ثمرات نے غُل مچایا کہ لینا پکڑنا یہ عُمرو عیّار ہے، سپاہی عُمرو کو پکڑنے کے لیے دوڑے مگر وُہ بھاگ نِکلا۔ کہتے ہیں اُس روز عُمرو عیّار اِکاون مرتبہ صُورت بدل کر آیا اور ہر مرتبہ ثمرات نے اُسے پہچان کر غُل مچایا۔ آخر عُمرو نے ایک اور تدبیر کی۔ وُہ باغ کے اُس حِصّے میں آیا جہاں خُداوندِ

ثمرات کے لیے باورچی کھانا پکانا تھا۔ عُمرو نے باورچی کو کِسی حیلے سے بے ہوش کیا اور ایک گڑھے میں پھینک کر اُوپر سے مٹی ڈال دی۔ پھِر خُود باورچی بن کر کھانا پکانے لگا۔ کھچڑی کی تین سو ستاون دیگیں اور سات سو پُلاؤ کی دیگیں پکتی تھیں۔ اِن سب میں بے ہُوشی کی دوا مِلائی۔ پھر وُہ سب دیگیں ثمرات کی بارگاہ میں بھیجی گئیں۔ عُمرو عیّار بھی دیگوں کے ساتھ گیا اور سبز کمبل اوڑھ کر ایک جگہ بیٹھ رہا۔ جب بارگاہ کا دروازہ اندر سے بند ہو گیا اور باغ میں کوئی شخص نہ رہا تب عُمرو نے دیکھا کہ ثمرات کے بُت میں سے ایک خُوف ناک دیو برآمد ہُوا اور تمام دیگیں چٹ کر گیا۔ دیو نے اُس روز شربت نہ پیا۔ کہتے ہیں اُس کے لیے سات سو من قند کا روزانہ شربت بنتا تھا۔ وُہ یُونہی رکھا رہا۔

جب عُمرو کو یقین ہو گیا کہ اب دیو بے ہوش ہو چُکا ہو گا، تب کمبل اُتار کر سامنے آیا۔ بُت کو کمر پر لادا اور بارگاہ کا دروازہ کھول کر اپنے لشکر میں چلا آیا۔

اُس نے امیر حمزہ کے سامنے خُداوندِ ثمرات کو لے جا کر رکھ دِیا اور بے ہوشی

دُور کرنے کا فتیلہ جلا کر ثمرات کی ناک میں رکھا۔ اُس نے چھینک مار کر آنکھیں کھول دیں اور چِلاّ کر بولا۔ ”اے حمزہ، مجھے فوراً سجدہ کر ورنہ تیرے لشکر کو جلا کر خاک کر دوں گا۔“ امیر حمزہ نے لِندھور کو اشارہ کیا اور کہا ”بھائی لِندھور، ذرا خُداوند کی طبیعت تو صاف کرو۔ ایک گُرز اِس کے سر پر مارو۔“ لِندھور نے پچیس مَن وزنی فولادی گُرز اُٹھا کر مارنے کا اِرادہ کیا ہی تھا کہ بُت کے مُنہ سے دُھواں نِکلنا شروع ہُوا اور پھر وُہ دُھواں جمع ہو کر ایک خُون خاک دیو کی شکل اِختیار کر گیا۔ اس وقت امیر نے پہنچایا کہ یہ ثمرات دیو ہے جو کوہ قاف سے جان بچا کر بھاگا تھا۔ اِتنے میں دیو نے آواز دی:

”اے حمزہ، میں تیرے ہاتھوں کہاں کہاں بھاگتا پِھرتا ہُوں مگر تُو میری جان نہیں چھوڑتا۔ حیران ہُوں کہ تجھ سے بچنے کی کیا صُورت کروں۔“

خُداوندِ ثمرات کا یوں غائب ہو جانا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ سکندر نے یہ تمام واقعہ ہیکلان کو لکھ بھیجا۔

اُس نے پہلے اسّی ہزار سپاہیوں کا لشکر بھیجا تھا، اس مرتبہ ایک لاکھ سپاہی روانہ

کیے۔ اِس فوج کا سپہ سالار الکوش نام کا ایک پہلوان تھا۔ جاسوسوں نے امیر حمزہ کو خبر دی کہ سکندر کی فوج نے ڈیرے خیمے اُٹھا لیے ہیں اور وُہ قلعۂ جلیک کوہ پر حملہ کرنے لگی ہے۔ امیر حمزہ نے بھی اپنی بارگاہ سمیٹنے کا حکم دیا اور سکندر کے پیچھے پیچھے روانہ ہُوئے۔ اس مرتبہ اُنہوں نے عہد کیا کہ روز روز کی یہ لڑائیاں ختم کر کے ہی رہیں گے اور اگر نوشیرواں نے اطاعت نہ قبُول کی تو اُسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قید خانے میں ڈال دیا جائے گا۔

سکندر جب عظیم فوج کے ساتھ قلعۂ جلیک پر آیا تو کرب غازی، عَلَم شاہ اور عامِر جنگ کے لیے تیّار ہوئے۔ اگر سکندر کے مُقابلے میں اُن کے پاس فوج بُہت کم تھی۔ مگر حوصلے اور ولولے کی کوئی کمی نہ تھی۔ جب دستُور کے مُطابق دونوں لشکر میدان میں آمنے سامنے ہوئے تب معیار عاد نام کا ایک سُورما سکندر کی فوج میں سے نِکلا اور مُقابلے کے لیے للکارنے لگا۔ اِدھر عامِر میدان میں آیا۔ معیار عاد نے دوڑ کر نیزہ مارا۔ عامِر نے تلوار سے اس کا نیزہ کاٹ ڈالا اُس نے جھنجھلا کر تلوار ماری۔ عامِر نے اُس کی تلوار بھی چھین لی۔

پھر معیار نے گُرز سے حملہ کیا۔ عامِر نے گُرز بھی چھین کر دُور پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر معیار نہایت کھسیانا ہُوا اور گھوڑے سے کُود کر زمین پر آیا۔ عامِر بھی گھوڑے سے اُترا۔ دونوں میں داؤ پیچ ہونے لگے آخر عامِر نے اُسے پکڑ کر سر سے اُونچا اُٹھایا اور کہا۔ اے پہلوان، اگر جان عزیز رکھتا ہے تو خدائے واحد کو سجدہ کرنا قبُول کر ورنہ تیری زندگی مُحال ہے۔ اُس نے کہا۔ اے عرب، یہ بات میں نے آج ہی سُنی ہے۔ اگر خدائے واحد ہمارے خُداوندِ ثمرات کی طرح کسی بُت میں ہوتا تو میں ضرور سجدہ کرلیتا۔

آخر عامِر نے اُس کو زمین پر دے مارا۔ اُس کی ہڈّیاں کڑ کڑا گئیں اور دُوسرا سانس نہ لے سکا۔ اُس روز سکندر کی فوج کے باون پہلوان عامِر کے ہاتھ سے مارے گئے۔ سکندر غم و غُصّے سے دیوانہ ہو گیا۔

اگلے روز پھر طبلِ جنگ بجا اور اِس مرتب شُعور عاد میدان میں آیا اور شیخیاں بگھارنے لگا۔ اِدھر سے کرب غازی نِکلا اور دیر تک جنگ کرنے کے بعد شُعور کو جہنّم کی طرف روانہ کر دیا۔ اُس روز کرب نے بھی سکندر کے تقریباً پچاس

پہلوان تہ تیغ کیے اور اُس کی بہادُری کا سِکّہ دُشمن کے دِل پر بیٹھ گیا۔

تیسرے دِن سکندر کا ایک اور نامی گرامی پہلوان شُتران عاد مُقابلے کے لیے للکار رہا تھا کہ امیر حمزہ اپنے لشکر کے ساتھ آن پہنچے۔ کرب غازی، عَلَم شاہ اور عامِر اُن کے اِستقبال کو گئے۔ اُنہوں نے سب کو گلے سے لگایا اور جنگ کا حال دریافت کرنے لگے۔ عامِر نے سارا واقعہ کہہ سُنایا۔

جب شُتران کر امیر حمزہ نے دیکھا تو خُود اُس کے مُقابلے میں جانے کا اِرادہ کیا۔ مگر لِندھور اپنا ہاتھی بڑھا کر امیر حمزہ کے سامنے آیا اور شُتران کے مُقابلے میں جانے کی اِجازت طلب کی۔ امیر حمزہ نے اِجازت دیتے ہوئے کہا: ”اے لِندھُور، تمھیں خُدا کے سپرد کیا۔ ذرا دیکھ بھال کرنا۔ میں نے سُنا ہے یہ نہایت ملعون پہلوان ہے۔“

لِندھور اِس شان سے میدان میں آیا کہ دوست دُشمن سب نے بے اِختیار واہ وا کی۔ شُتران نے بھی اِس کو اُوپر سے نیچے تک دیکھا اور دِل میں کہا اِس دیو کے ہاتھ سے بچنا دُشوار نظر آتا ہے۔

لِندھور نے ڈپٹ کر کہا۔ ”اے شُتران، سوچتا کیا ہے؟ آگے بڑھ اور حملہ کر۔“

تب شُتران نے اپنا گُرز سنبھالا اور گیارہ مرتبہ لِندھور پر حملہ کِیا۔ لِندھور نے ہر وار اپنی ڈھال پر روکا۔ پھِر نعرہ مار کر اپنا گُرز گھُمایا۔ اُس کی شائیں شائیں سے شُتران کا ہاتھی ڈر کر بھاگا۔ مگر لِندھور نے بھاگنے کی مہلت نہ دی۔ اس کے گُرز کی ایک ہی ضرب میں شُتران کا ہاتھی گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا اور خُود شُتران گوشت کا ایک لوتھڑا بن کر نیچے گِرا۔ امیر حمزہ نے لِندھور کی اِس ضرب کو دیکھ کر فرمایا یہ حقیقت میں رستمِ ہند ہے۔

شُتران کے مرتے ہی سکندر کا دِل بیٹھ گیا اور اُس نے واپسی کا طبل بجوایا۔ یہ دیکھ کر بختک نامُراد تالی پیٹ پیٹ کر ناچنے لگا اور کہا:

”میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ امیر حمزہ کا رُعب آپ کے دِل پر بیٹھ گیا ہے۔ یہ بہادُروں کا شیوہ نہیں ہے کہ اپنے تین آدمیوں کو حمزہ کے ہاتھوں فنا کرانے کے بعد یُوں چُپ بیٹھ جائیں۔“

اُس نے سکندر کو خُوب اُبھارا اور جوش دِلایا۔ آخر دُوسرے ہی روز اُس نے پھر طبلِ جنگ بجوایا۔ اِس مرتبہ لشکر کا سپہ سالار الکوش میدان میں نِکلا۔ اس کا ڈیل ڈول ایسا تھا کہ کیا دوست اور کِیا دُشمن سبھی نے تعریف کی۔ الکوش کے مُقابلے میں عَلَم شاہ نے نِکلنا چاہا۔ مگر امیر حمزہ نے روک دیا اور کہا۔ ”اے رُستم، الکوش کے مُقابلے میں مَیں جاؤں گا۔ تُم پیچھے ہٹ جاؤ۔“

امیر اشقر دیو زاد پر سوار ہو کر میدان میں آئے۔ الکوش نے حقارت کی نظر سے دیکھا اور بولا: ”افسوس ہے حمزہ پر کہ میرے مُقابلے کے لیے ایسے ایسے لوگوں کو بھیجتا ہے جِن کے جسم پر ہڈّی ہے نہ بوٹی۔“

امیر حمزہ نے مُسکرا کر کہا ”اے الکوش، تجھے ہڈّی بوٹی سے کیا مطلب۔ میں تیرے مُقابلے میں آیا ہُوں۔ اگر ہمّت ہے تو مجھے مار ڈال۔“

”تجھ جیسے پہلوانوں سے لڑنا میری شان کے خلاف ہے۔“ الکوش نے کہا۔ ”جانتا نہیں کہ میں سکندر کی فوج کا سپہ سالار ہُوں۔ تُو اپنی جان سلامت لے کر چلا جا اور حمزہ کو یہاں بھیج۔“

”اے الکوش، میرا ہی نام حمزہ ہے۔“

اِتنا کہنا تھا کہ الکوش کی گھِگھی بندھ گئی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے امیر کی طرف دیکھتا رہا، پھِر کہنے لگا۔ ”قسم ہے خُداوندِ ثمرات کی، مجھے یقین نہیں آتا کہ اِس قد کاٹھ کا شخص حمزہ ہو سکتا ہے۔“

جب الکوش کی حیرت دُور ہُوئی اور اُسے ہوش آیا تو اُس نے بڑھ کر حملہ کیا۔ امیر حمزہ اپنے گھوڑے سے کُودے اور الکوش کی ٹانگیں پکڑ کر اُسے بھی گھوڑے سے اُتار دیا۔ پھِر بغل میں دبا کر اپنے لشکر کی طرف چلے۔ الکوش نے آزاد ہونے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے مگر ناکام رہا۔ پھر حمزہ نے اُسے پچھاڑا اور خنجر سینے پر رکھ کر پُوچھا:

”اگر دینِ اِبراہیمی پر ایمان لائے تو چھوڑ دُوں گا۔“

”یا امیر، میں ایمان لاتا ہُوں۔“ الکوش نے کہا۔

امیر حمزہ نے اُسے چھوڑ دیا۔ وُہ سچّے دِل سے کلمہ پڑھ کر ایمان لایا۔ کافروں

کے لشکر میں الکوش کے ایمان لانے سے اوس پڑ گئی اور حق پرستوں کی خُوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ الکوش نے امیر حمزہ سے کہا "یا امیر، اب میری یہ خواہش ہے کہ میدان میں جاؤں اور سکندر کو مُقابلے کے لیے للکاروں۔" امیر حمزہ نے اُسے اِجازت دے دی۔ جب الکوش میدان میں نمودار ہُوا اور سکندر کو پُکارا تو اُس کے خُون میں بھی حرارت پیدا ہُوئی۔ بے شمار ہتھیار بدن پر سجا کر سامنے آیا اور کہنے لگا:

"اے الکوش، تجھ جیسا غدّار اور نمک حرام آج تک پیدا نہ ہوا ہو گا۔ تُو نے حمزہ کے ساتھ مِل کر ہماری ساری عِزّت آبرو خاک میں مِلا دی۔ یہی وجہ ہے کہ میں تیرے مُقابلے میں آیا ہُوں اور اب دیکھ کہ تیرا کیا حشر کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر سکندر نے نیزے سے حملہ کیا۔ الکوش نے وہی نیزہ چھین کر اِس زور سے مارا کہ اُس نے پہلے سکندر کی ڈھال توڑی۔ پھِر سینے کو چھیدتا ہُوا نِکل گیا۔ ایک ہولناک چیخ کے ساتھ سکندر نیچے گِرا اور تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ اِس کے مرتے ہی بختک اور نوشیرواں نے فوج کو عام حملے کا حکم دے دیا۔ پھِر تو ایسی

جنگ ہُوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ تین پہر کی لڑائی کے بعد کافروں کی فوج ہتھیار پھینک کر بھاگی۔ نوشیر واں اور بختک بھی جانیں بچا کر بھاگے اور مدائن پُہنچ کر سانس لیا۔ لیکن امیر حمزہ جو عہد کر چکے تھے، اُس پر قائم رہے، آندھی کی رفتار سے نوشیر واں کے تعاقُب میں آئے۔

نوشیر واں سمجھا کہ موت آئی۔ بختک سے کہا۔ "یہ سب کِیا دھرا تیرا ہے، تُو نے مجھے اِس جنجال میں پھنسایا۔ اب تجھے اپنے ہاتھ سے قتل کرتا ہُوں۔"

یہ کہہ کر اُس نے تلوار کھینچی اور چاہتا تھا کہ بختک کی گردن تَن سے جُدا کرنے کہ خواجہ بزُرجمہر بادشاہ کے قدموں میں گِرے اور کہنے لگے۔

"حضور صبر سے کام لیجیے۔ اِس بے حیا کے خُون سے اپنی تلوار کو داغ دار نہ کیجیے۔"

یہ کہہ کر اُنھوں نے بختک کو اِشارہ کیا۔ وُہ دوڑ کر آیا اور نوشیر واں کے قدموں پر سر رکھ کر رونے لگا۔ تب بادشاہ نے اُسے معاف کیا۔

کئی دِن بعد مدائن میں غُل مچا کہ امیر حمزہ آتے ہیں۔ سارا شہر اُن کے آنے کی خُوشی میں دِیوانہ ہو رہا تھا۔ لوگوں نے جھٹ پٹ شہر میں چراغاں کا اِنتظام کیا۔

نوشیر واں خواجہ بزُرجمہر کو لے کر خُود امیر حمزہ کے اِستقبال کو آیا اور اُن کے ہاتھ چُومنے لگا۔

امیر نے کہا: "اے بادشاہ، میرے ہاتھ چُوم کر کیوں مجھے شرمندہ کرنا ہے۔ تیرے مجھ پر بڑے احسانات ہیں۔ میں اُنہیں بھُولا نہیں ہُوں۔ مگر افسوس اِس بات کا ہے کہ تجھے دوست دُشمن کی پہچان نہیں ہے۔"

نوشیر واں نے شرمندہ ہو کر گردن جھُکالی اور کُچھ نہ کہا۔ تب خواجہ بزُرجمہر نے سب کو دُعائیں دیں۔ نوشیر واں نے قباد اور عامِر کو گلے لگا کر پیار کِیا۔ تمام پہلوانوں کو خلعتیں اور کُرسیاں عطا کیں۔ اور تمام رنجشیں دِلوں سے دُور ہو گئیں۔ مگر ایک شخص ابھی ایسا تھا جِس کے دِل میں رنج اور حسد کی آگ تیزی سے بھڑک رہی تھی۔ اُس نے سوچا کہ حمزہ اور نوشیر واں کی صلح ہو گئی

تو میں کہاں جاؤں گا۔ میرے گناہوں کی فہرست اِتنی لمبی ہے کہ اگر حمزہ نے ترس کھا کر مجھے چھوڑ بھی دیا تو عُمرو عیّار ہر گز نہ چھوڑے گا۔ کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ اچھّے دِل بُرے ہُوں۔

آپ سمجھ گئے ہُوں گے کہ یہ نامُراد شخص بختک کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ امیر حمزہ اور اُن کے دوستوں کی آؤ بھگت دیکھ کر اُس کے سینے پر سانپ لوٹ رہا تھا۔ آخر سوچ سوچ کر ایک تدبیر اُس کے ذہن میں آئی۔ عیّار گلیم گُوش کو اِس سازش میں شریک کیا اور اُس سے کہنے لگا "اگر وُہ کِسی طرح امیر حمزہ کو قتل کر دے تو ایک لاکھ سونے کی اشرفیاں انعام میں دُوں گا اور نوشیرواں سے سفارش کر کے تمام عیّاروں کا سردار بنوا دوں گا۔"

عیّار گلیم گُوش یہ سُن کر بے حد خُوش ہُوا۔ بولا: "آپ فکر نہ کیجیے۔ حمزہ کو قتل کرنا میرے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ آج رات ہی اُس کا قِصّہ تمام کر تا ہُوں۔"

رات کو وُہ امیر حمزہ کی بار گاہ میں آیا اور کھانے کے دوران میں پانی کی صُراحیوں میں سفوف بے ہوشی ملا دیا۔ یہ سفوف آہستہ آہستہ اثر کرتا تھا۔

رات کے پچھلے پہر بار گاہ کی محفل برخاست ہُوئی۔ سب تعجّب میں تھے کہ آج ایسی سخت نیند کیوں آ رہی ہے۔ غرض سب اپنے اپنے خیموں کی طرف گِرتے پڑتے چلے۔ اب اِتّفاق دیکھیے کہ امیر حمزہ تو قباد کے بِستر پر جا سوئے اور قباد امیر حمزہ کے بستر پر لیٹ کر غافل ہو گیا۔

تیسرے پہر وُہ موذی گلیم گوش اپنے دامن میں خنجر چھُپائے امیر حمزہ کی بار گاہ میں آیا۔ دیکھا کہ امیر کمبل اوڑھے بے خبر سوتے ہیں۔ گلیم گُوش عیّار اُن کے سرہانے جا کھڑا ہوا اور خنجر اُٹھایا۔ اُس کے وہم و گُمان میں بھی نہ تھا کہ امیر حمزہ کے بجائے شہزادہ قباد شہریار ہے۔

گلیم گوش نے خنجر اُٹھایا اور آنکھیں بند کر کے پُوری قُوّت سے قباد کے سینے میں گھونپ دیا۔۔۔ بے چارے قباد نے جُنبش بھی نہ کی اور ختم ہو گیا گلیم گوش نے اُس کا سر تَن سے جُدا کر کے ٹوکری میں رکھا اور بختک کے مکان کی طرف بھاگا۔ وُہ ابھی تک عیّار کے اِنتظار میں جاگ رہا تھا۔ گلیم گوش کے کپڑوں پر خُون کے چھینٹے دیکھ کر بختک نے بے تاب ہو کر پُوچھا۔ ’’کیا حمزہ کو

قتل کر دِیا؟“

”جی ہاں، یہ دیکھیے۔ اس کا سر بھی اپنے ساتھ لایا ہُوں۔ اب انعام دِلوایئے۔“

یہ کہہ کر اُس نے ٹوکری میں سے کٹا ہُوا سر نِکالا اور بختک کے سامنے رکھ دیا۔ بختک نے چراغ کی روشن تیز کر کے سر پر نگاہ ڈالی تو سر پیٹ کر بولا۔ ”اے نامُراد، ذرا غور سے دیکھ۔ یہ حمزہ نہیں، شہزادہ قباد ہے۔ تُو نے حمزہ کے دھوکے میں نوشیرواں کے نواسے کو قتل کر دیا ہے۔ اب تُو مارا جائے گا۔“

بختک کو خطرہ پیدا ہُوا کہ اگر گلیم گوش گرفتار ہُوا تو سب راز اُگل دے گا۔ اِس لیے اِسے بھی ختم کر دینا چاہیے۔ یہ سوچ کر خنجر نِکال کر گلیم گوش کی طرف جھپٹا، مگر وُہ بھی کچّی گولیاں کھیلے ہُوئے نہ تھا۔ بختک کی نیّت بھانپ گیا اور وہی خنجر جِس سے اُس نے قباد کو ہلاک کیا تھا۔ بڑی پھُرتی سے بختک کے پہلو میں اُتار دیا۔ ایک خوف ناک چیخ کت ساتھ بختک اُلٹ کر گِرا اور تڑپنے لگا۔ اور یُوں بختک اپنے بھیانک انجام کو پُہنچا۔

صُبح مُنہ اندھیرے امیر حمزہ کے لشکر میں غُل مچا کہ شہزادہ قباد کو کسی نے قتل کر دیا۔ امیر حمزہ نے بیٹے کی لاش دیکھی تو پچھاڑیں کھانے لگے۔۔۔ نوشیر واں کو خبر کی گئی۔ وُہ ننگے سر ننگے پاؤں دوڑتا ہُوا آیا اور اِس قدر رویا کہ بے ہوش ہو گیا۔ عُمرو عیّار کبھی روتا اور کبھی قاتل کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھِرتا۔ اِتنے میں چند سپاہی گلیم گوش کی گردن میں رسّیاں ڈالے اور اُسے مارتے پیٹتے وہاں آئے۔ معلُوم ہُوا کہ کل رات اِس مُوذی نے بختک وزیر کو قتل کیا ہے اور بختک کے مکان میں سے شہزادہ قباد کا سر بھی برآمد ہو گیا ہے۔ تب لِندھور، عَلَم شاہ، کرب غازی اور عامِر بن حمزہ تلواریں کھینچ کھینچ کر گلیم گوش کی طرف لپکے اور قریب تھا کہ اُس کی تِکّا بوٹی ہو جائے کہ امیر حمزہ نے اُنہیں روکا اور کہنے لگے:

"اب اِسے مارنے سے کیا فائدہ۔ قباد اِس کے مرنے سے زندہ تو نہیں ہو سکتا۔ اِسے رہا کر دو اور کہہ دو یہاں سے چلا جائے۔"

گلیم گوش آزار ہو کر صحرا کی طرف بھاگا، لیکن عُمرو نے اُس کا پیچھا کیا اور نعرہ

مار کر کہا "او بد ذات، امیر نے تجھ کو چھوڑ دیا مگر میرے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا۔"

یہ کہہ کر کمند پھینکی۔ گلیم گوش کمند میں پھنس گیا۔ عُمرو نے اُسے زمین پر پچھاڑ کر بُری طرح مارا اور جِسم کا ایک ایک حِصّہ کاٹ ڈالا۔

قباد کی موت نے امیر حمزہ کو بے حد نڈھال کر دیا تھا۔ سارا دِن اپنے خیمے میں پڑے رہتے۔ کھانا پینا، ہنسنا بولنا سب جاتا رہا۔ بُہت دِن اِسی طرح گُزرے۔ آخر سب کُچھ چھوڑ چھاڑ مکّے جانے کا اِرادہ کر لیا۔ جانے سے پہلے سب دوستوں کو نصیحتیں کیں اور سلطنتیں سپرد کیں۔ لِندھور کو ہندوستان کی سلطنت بخشی۔ بہرام کو چین اور بغداد کی حکومت عطا ہُوئی۔ عَلَم اژدھا پیکر عَلَم شاہ کو عنایت ہُوا۔ طبلِ سکندری اور اشقر دیو زاد عادی پہلوان کو دیا گیا۔ سُلطان سعد کو قباد کی جگہ تخت پر بٹھایا۔ مِصر کا مُلک مُقبِل وفادار کے حوالے کیا۔ آخر میں عُمرو عیّار سے کہا:

"بھائی عُمرو، تمہارا جی چاہے تو میرے پاس رہو، ورنہ جہاں جی چاہے چلے

جاؤ۔۔اُس علاقے کی حکومت میں بخوشی تُم کو عطا کر دوں گا۔"

عُمرو بے اختیار رو پڑا اور امیر حمزہ کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر بولا۔"اے حمزہ، مجھے کِسی سلطنت کی ضرورت نہیں ہے۔بس تمہارے قدموں میں رہنا چاہتا ہُوں۔ عُمرو کو امیر حمزہ نے اپنے ساتھ لیا اور مکّے کی طرف روانہ ہوئے اور بقیہ عُمر خُدا کی یاد میں گُزار دی۔

ختم شد